A COMPREHENSIVE NEWS & FAMILY MAGAZINE
EID AL FITR
SPECIAL EDITION
ویج
ABC CERTIFIED Registration No.3149 APNS MEMBER
March-2026
Monthly WAIJ Karachi
ڈاکٹر سمیرہ عزیز
(سعودی میڈیا پرسن اور بزنس وومن)

GFS
BUILDERS & DEVELOPERS
عید مبارک
ON THIS BLESSED OCCASION OF EID, GFS BUILDERS & DEVELOPERS EXTENDS ITS HEARTFELT WISHES TO YOU AND YOUR LOVED ONES.
NTR
KORANGI TOWN Residency
GOLD CENTER
NORTH TOWN VILLAS
North Town
PREMIUM
WONDERS ENCLAVE
North Town
GFS Villas
TOLL FREE
0800-43700
0301-1155760 I 0302-8255578
Buildersgfs www.gfsbuilders.com.pk

ACADEMY OF AESTHETICS
943/2, Allama Iqbal Road, Block-2
Back Side of Zaidi's Studio, P.E.C.H.S., Karachi.
call 021-34310754-5
www.academyofaesthetics.co

aestheticLIFE
Call us at: (+92 21 35250262/3) or visit us at: www.aestheticlife.com
Lahore: 042 - 36371660 | Islamabad: 051-2616621

# ويج

Monthly WAIJ Karachi

قیمت Rs.150/-

جلد 36، شمارہ 04 مارچ 2026

| | | |
|---|---|---|
| Pakistan | | |
| U.A.E | DH. | 08.00 |
| India | RS. | 50.00 |
| Behmin | DN. | 01.00 |
| K.S.A | S.R. | 05.00 |
| Kuwait | DN. | 01.00 |
| U.K | £ | 04.00 |


فون نمبر : 021 35653366

E_Mail

monthlywaij@gmail.com

jamlik11@yahoo.com

خط و خطابت جي ڊي

آفيس نمبر: يو ابلڪ 12، ڪلفٽن شاپنگ

گيلريا، بنان پي ايس او هائوس

ڪلفٽن ڪراچي



چيف ايڊيٽر

جاويد احمد ملڪ

مئنيجنگ ايڊيٽر

فرح ناز

ايڊيٽر: مصطفيٰ ڪماوَز

سب ايڊيٽر اينڊ لي آئوٽ ڊيزائنر

محمد عمران سولنگي

ايڊيٽوريل بورڊ:

جواد احمد ملڪ سٽي رپورٽر

يوسف احمد ملڪ اسپيشل رپورٽر

بيورو آفيس

اسلام آباد

ليگل ايڊوائيزر

ايڊووڪيٽ محمد دائود ڪلهوڙو

نويد ملڪ/فائزه بيبي

ڪراچي

سميع احمد اسپيشل ڪرسپونڊنٽ

اسپيشل نامہ نگار بوڪي

سيد ثاقب عالم عابدي

اسپيشل نامہ نگار، دبئي

تسنيم زيدي

اسپيشل نامہ نگار، گوادر

فيصل جاويد

مارڪيٽنگ ٽيم ڪراچي

ماجد خان

سرڪيوليشن مئنيجر

شهزاد احمد


پاک فوج ملکی سلامتی کی ضمانت ہے

بلوچ خاتون کا خودکش حملہ خطرناک ترین کیوں؟

شمالی علاقہ جات کرنے سے پہلے کن باتوں کا خیال رکھیں۔

بچوں کے لئے محفوظ انجن

دہرے عالمی معیار

مضبوط اور مستحکم جمہوریت

سرانجن کا نام تبدیل کرنے پر غور

بیماریاں اور ان کا علاج

گوادر اور اقتصادی راہداری کی مخالفت کیوں؟

آن لائن دکانیں کیوں اور کیسے کھولی جائیں۔

طبی ماہر: تھری ڈی پرنٹنگ کے ذریعے سے گولی تیار کر لی

ڪرونا پاڪستان کي ڪيترو نقصان ڏيندو؟

اليڪٽرانڪ ووٽنگ مشين نظام تي اصل اختلاف ڪهڙا آهن

گهرن ۾ ٿيندڙ پوڪ سان ماحولياتي گدلاڻ جو خاتمو

شيهي سبب ڦهلجندڙ گدلاڻ ۽ احتياطي تدبيرون

سرجري جو جديد ۽ گهٽ آزاريندڙ طريقو

ڇا يادگيري وسارڻ ممڪن آهي


هي رسالو پبلشر جاويد احمد ملڪ پرنٽر قيوم خان دعوه پرنٽنگ پريس ڪراچي وتان ڇپرائي آفيس نمبر يو ابلڪ 12، ڪلفٽن شاپنگ گيلريا، بنان پي ايس او هائوس، ڪراچي مان پڌرو ڪيو ويو

# پاک فوج ملکی سلامتی کی ضمانت ہے

پاکستان نام کا ملک 1947 میں وجود میں آیا یہ اتنا بڑا تاریخی واقعہ تھا کہ پاکستان کے دشمن اسے برداشت نہ کر سکے اور پاکستان کو ختم کرنے کے لیے جنگ بھی ٹھونپی اور سازشوں کا جال بھی بچھا دیا۔ نوزائیدہ پاکستان ختم تو نہ ہوا لیکن وہ ٹکڑے ہو کر اپنی متحدہ طاقت سے محروم ہو گیا۔

پاکستان کے غیرت مند شہریوں کو اپنے دشمن کی طاقت کا اندازہ اور سازشوں کا احساس بھی تھا چنانچہ ہمارے محب وطن سائنس دانوں نے دشمن سے اپنے ملک کو ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنے کے لیے ایٹمی پروگرام کا آغاز کیا۔ ان سائنس دانوں کی شبانہ روز محنت سے وہ وقت جلد ہی آ گیا کہ دفاعی لحاظ سے ایک کمزور پاکستان دشمن کے لیے سب سے مضبوط ملک کی صورت میں سامنے آ گیا۔

اس کالم کے قارئین اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میرے والد محترم عبدالقادر حسن مرحوم نے پاکستان اور پاکستانیت کا پرچم مضبوطی سے تھامے رکھا۔ مرحوم ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے ان کی نیاز مندی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ پاکستان کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے انھوں نے اپنے قلم کا زور دار استعمال جاری رکھا اور اس پر کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ مجھے وہ دن کبھی نہیں بھولتا جب میں اپنے مرحوم والد کے ساتھ ڈاکٹر قدیر خان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ دوران گفتگو ڈاکٹر صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک پرچی والد صاحب کے حوالے کی جس پر لکھا تھا کہ ہم جب چاہیں دشمن کو پندرہ منٹ میں نیست و نابود کر سکتے ہیں، یہ وہ وقت تھا جب ابھی پاکستان نے ایٹمی دھماکے نہیں کیے تھے اور باضابطہ طور پر ایٹمی پاکستان کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ گزشتہ روز اخبار کی یہی چنگھاڑتی شہ سرخی دشمن کے لیے کسی

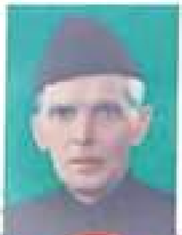

ایٹمی حملے سے کم نہیں تھی۔ یہ ایک طرح سے پاکستان کے ایٹم بم کا غیر رسمی اعلان تھا جس نے قریبی دشمن کی تمام تر بری اور خطرناک خواہشوں کو خاک میں ملا دیا۔

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد مسلم دنیا کے پہلے ایٹمی ملک کا باضابطہ طور پر اعلان بھی ہو گیا۔ پاکستان کے دشمنوں کی طاقت پاکستان کی طاقت کے سامنے ماند پڑ گئی اور وہ جارحیت کی سوچ سے مجبور ہو کر باہر نکل آئے کہ پاکستان اب ان کی جارحیت کا نشانہ نہیں رہا تھا۔ یہ ان کو سخت ترین جواب دے سکتا تھا اور اس طرح پاکستان اپنے سے کئی گنا بڑے ملک اور دشمن سے بچ گیا اور اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔

لیکن ان پاکستان دشمنوں نے پاکستان کی ایٹمی طاقت کو کبھی قبول نہیں کیا اور وقتی طور پر تو انھوں نے عسکری جارحیت کم کر دی لیکن ساتھ ہی معاشی جارحیت کا آغاز کر دیا جو آج تک جاری ہے اور اب محسوس یوں ہوتا ہے کہ دشمن ہماری دفاعی طاقت سے تو مغلوب ہو چکا ہے لیکن وہ ہمیں معاشی طور پر مغلوب کرنا چاہتا ہے جس میں وہ کامیاب ہو رہا ہے۔

آج پاکستان کی تیزی سے زوال پذیر معیشت کوئی راز نہیں ہے اور اس بدحالی میں ہمارے حکمرانوں کا بھی ہاتھ ہے۔ ملک کو آئی ایم ایف تک بھی یہی حکمران لے کر گئے ہیں۔ مہنگائی کے جس طوفان کا پاکستانی عوام سامنا کر رہے ہیں، اس کی وجہ آئی ایم ایف کی پالیسیاں اور شرائط تو ہیں ہی لیکن ہمارے حکمرانوں کی بد اعمالیاں بھی مہنگائی اور معاشی بدحالی کی ذمے دار ہیں۔ دشمن تو پہلے پاکستان کو بے دست و پا کرنا چاہتا تھا لیکن یہ ہدف عسکری جارحیت سے مکمل نہیں کر سکا، لیکن اب معاشی بدحالی سے فائدہ اٹھا کر ہدف حاصل کرنا چاہتا ہے۔

پاکستان ایٹمی طاقت ہے، اگرچہ اس کے عزائم جارحانہ نہیں تھے بلکہ وہ اپنے ہمسایوں سمیت سب ملکوں کے ساتھ امن سے رہنا چاہتا ہے۔ ہمارے دشمن پاکستان کے دو ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن یہ سازش ہمارے اندر سے ہوئی، ہم اسے محسوس کرتے بلکہ دیکھتے بھی رہے لیکن کچھ کر نہ سکے اور پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان اس دوران اپنی کمزوری ختم کر کے ایک ایٹمی قوت کے طور پر سامنے آ گیا آج کی دنیا میں یہ قوت ایک حتمی طاقت سمجھی جاتی ہے۔

جب سے پاکستان ایک ایٹمی طاقت بنا ہے تب سے ہمارے دشمن محتاط ہو گئے ہیں اور خود ہم بھی اپنے دوستوں کے لیے ایک بوجھ نہیں بلکہ ایک طاقت بن گئے ہیں۔ اس خطے میں پاکستان ایک بڑی طاقت ہے۔ یوں تو ہر پاکستانی ایک زندہ بم ہے اور ان کے عزم و ہمت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن دنیا کے لیے وہ آج ایک جدید طاقت بھی رکھتا ہے جس سے دنیا ڈرتی ہے۔ چنانچہ اس کے دشمنوں کو آج پاکستان کے وجود کا احساس ہے کہ وہ اب کسی تیسری دنیا کا ایک پسماندہ ملک نہیں ہے بلکہ جدید دنیا کا ایک خود مختار ملک ہے جو اپنی سلامتی کے تمام ذرائع سے مسلح ہے۔

میں پاکستان کی اس انمول طاقت کا ذکر کرنے پر اس لیے مجبور ہوا ہوں کہ ان دنوں پاکستان کے پرانے دشمنوں کو پاکستان ایک بار پھر یاد آنا شروع ہو گیا ہے اور وہ کسی ایسی غلط فہمی میں دکھائی دیتے ہیں کہ پاکستان وہ کچھ کرے گا جو ماضی میں کرتا رہا ہے۔ لیکن اللہ کا کرم ہے کہ اس ملک کو اتنی طاقت عطا کی جا چکی ہے جو اس کی حفاظت کے لیے کافی ہے۔ پاکستان کی ایٹم بم سے بھی بڑی طاقت، اس کی سپاہ ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

دشمنوں کے ناپاک ارادوں کے باوجود اب تک پاکستان اپنے عوام اور فوج کی طاقت پر ہی قائم و دائم چلا آ رہا ہے اور عوام اور فوج اس ملک کی سلامتی کی ضمانت بنی رہے گی۔

# بلوچستان کی ترقی اور سی پیک کی تکمیل کے لیے پاکستان کو کیا کرنا چاہیے؟

میں نے جلتے سلگتے بلوچستان میں 29 مئی کے بلدیاتی انتخابات کو اسی بلاگ میں امید کی ایک کرن قرار دیا تھا۔ ساتھ ہی انتہائی محتاط الفاظ میں کوئٹہ اور اسلام آباد کی سیاست کے ایک طالب علم کی حیثیت سے گوش گزار کیا تھا کہ کسی خوش فہمی میں نہ رہا جائے اور سخت سیکیورٹی کے حصار میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات سے یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ سب اچھا ہے۔

عموماً بلوچستان کے بارے میں لکھتے ہوئے معتبر بلوچ قوم پرست رہنماؤں سے مکالمہ ضرور کرتا ہوں کہ کتنا ہی باخبر کیوں نہ ہوں بہرحال کراچی میں بیٹھ کر ان گرم پانیوں کی لہروں سے پورے طور پر آشنا نہیں ہوں۔

پھر بلوچستان اور سی پیک کے قضیے میں ایران اور افغانستان کی سرحد کے ساتھ متصل علاقے اور بلوچستان لبریشن آرمی (بی ایل اے) سمیت 3 بڑی مزاحمتی تنظیمیں اب ایک موثر فریق ہیں۔ صرف محفوظ بلوچستان ہی نہیں بلکہ پاکستانی ریاست کی سلامتی کے لیے بھی انہیں انگیج کرنا یعنی مذاکرات کی میز پر لانا پڑے گا۔

اگلے ہی دن مین اسٹریم میڈیا پر یہ خبر نظر سے گزری کہ اسلام آباد میں سی پیک کے حوالے سے ہونے والی ایک انتہائی اعلی سطح کی کانفرنس میں چینی ناظم الامور نے بغیر کسی لگی لپٹی کے اپنی حکومت کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ سی پیک کے خلاف جعلی خبروں کے ساتھ پروپیگنڈا مہم جاری ہے۔

انہوں نے تو سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان ممالک کی نشاندہی بھی کی جو سی پیک دشمنی میں اپنی تمام حدود پھلانگ چکے ہیں۔ چینی ناظم الامور نے امریکا کی جانب سے تشکیل دیے ہوئے کواڈ اتحاد اور انڈو پیسیفک اکنامک فریم ورک کا حوالہ دیتے ہوئے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ وہ سی پیک ہی نہیں چین کو بھی نشانہ بنا رہے ہیں۔

چینی سفیر نے کواڈ اتحاد کا ذکر کیا مگر حیرت ہے کہ وہ بھارت، افغانستان اور ایران کو نظر انداز کر گئے۔ اسلام آباد کی سولین اور ملٹری اسٹیبلشمنٹ کے نزدیک یہ ممالک اس وقت بلوچستان کی سرحد کی دونوں جانب بی ایل اے سمیت ساری مزاحمتی تنظیموں کی مکمل پشت پناہی نہ بھی کر رہے ہوں تو انہیں اتنی چھوٹ ضرور دی ہوئی کہ وہ ہمارے روایتی دشمنوں سے عسکری و مالی تعاون لینے میں آزاد ہیں۔

یہاں تک پہنچا ہوں تو سی پیک کی حساسیت کے سبب پھر بھی محتاط رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ برسوں سے ہماری حکومتیں اور اسٹیبلشمنٹ یہ دعویٰ کر رہی تھیں اور اب بھی کر رہی ہیں کہ گوادر سی پیک کا دروازہ ہے جس سے بلوچستان میں ترقی و خوشحالی کی لہریں نہیں دریا بہنا شروع ہو گئے ہیں۔

اکثر و بیشتر لکھتے اور بولتے اپنے استاد محترم مرحوم صحافی نثار عثمانی کا ذکر ضرور کرتا ہوں، وہ تلقین کرتے تھے کہ کسی ایسے موضوع کو مضمون نہ بناؤ

میرے اپنے 14 سالہ بھائی اور افغانستان سے آئے ہمارے کزن کو بھی گھر سے اٹھا لیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے سرگرم کارکن ہونے کی وجہ سے میں اور دیگر ساتھی مکمل زیر عتاب تھے۔ صفدر ہمدانی

اس کے بعد سے کوئی دن ایسا نہیں تھا جب میں ان کے ساتھ نہ ہوں۔ میں صبح سے بی بی کے پاس چلی جاتی اور رات تک وہیں رہتی اور دوسرے ساتھی بھی پہنچ

پذیرائی حاصل ہو رہی تھی۔ لندن میں لارڈ ایوبری ہماری جدوجہد کی بھرپور حمایت کرتے تھے۔ پیپلز پارٹی کے لیے یہ ایک نہایت مشکل وقت تھا۔ نو عمر بے نظیر کو اپنے والد کی پھانسی کے صدمے کے

دیا۔ جس کارکن کا خط ملتا یا کسی کی تکلیف کے متعلق خبر پہنچتی تو بی بی خود فوری نوٹس لیتیں اور ان کی فیملیز سے رابطہ رکھتیں۔ انہوں نے عوام سے اور

اقتدار شاہ، ابن رضوی، ریاض خان اور میرے خلاف کیس بنا دیے گئے اور گرفتاری سے بچنے کے لیے ہم سب ملک چھوڑ کر لندن چلے گئے۔ یہ 83ء کا اختتام تھا۔ جام صادق لندن میں مقیم تھے اور وہ ہم نوجوانوں کی بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ہم انہیں چاچا کہتے

جاتے۔ بی بی ہم سے مارشل لا کے خلاف سفارتخانوں کو خط لکھواتیں، ہم انسانی حقوق کی تنظیموں سے رابطے کرتے، سردی، بارش کی پروا کیے بغیر احتجاجی مظاہرے کرتے، خصوصاً پاکستان سے کوئی حکومتی فرد آتا تو ہم سفارتخانے پر جاکر احتجاج کرتے تھے۔ بی

ساتھ، پیپلز پارٹی کو سنبھالنے کا چیلنج درپیش تھا جس کی ذمہ داری اچانک ان کے نازک کاندھوں پر آگئی تھی۔ پاکستان میں بھٹو کے انتہائی قریبی ساتھی اور جانثاری رہنما پیپلز پارٹی کو چھوڑ گئے تھے۔ ایم آر ڈی کی تحریک بھی اچانک ختم کردی گئی تھی اور

کارکنوں سے اپنا تعلق اتنا مضبوط بنایا کہ جب 86ء میں وہ پاکستان واپس آئیں تو ان کا فقید المثال استقبال دنیا نے دیکھا۔ کارکنوں سے یہ تعلق انہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک نہیں ٹوٹنے دیا۔‘‘ ناہید خان نے کہا کہ ’’بے نظیر بھٹو سیاست میں مفاہمت اور

تھے، مجھے انہوں نے اپنی بیٹی بنایا ہوا تھا۔ انہی کے گھر پر میری پہلی مرتبہ بی بی سے ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت گرم جوشی سے ملیں اور اسی روز مجھ سے کہا کہ ’کیا آپ میرے ساتھ کام کرنا چاہو گی‘۔ میں نے کہا ’کیوں نہیں! یہ میرے لیے اعزاز ہوگا‘۔ اس پر انہوں نے کہا ’کل سے میرے پاس آجاؤ‘۔

بی نے پاکستان میں بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد خود ضیا حکومت کے بدترین جبر کا سامنا کیا تھا، لاٹھیاں کھائیں، جیلیں کاٹیں لیکن کوئی ظالمانہ ہتھکنڈا اس نازک وجود کو نہ توڑ سکا۔ لندن میں وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ بھٹو صاحب کے نظریہ جمہوریت کو فروغ دے رہی تھیں۔ بی بی کی قیادت میں مارشل لا کے خلاف ہماری جدوجہد کو بیرونی دنیا میں

کارکنوں کے خلاف مارشل لا کا کریک ڈاؤن جاری تھا۔ بی بی پاکستان فون کرتیں تو ان کو کارکنوں کی گرفتاریوں اور سزاؤں کی خبر ملتی تھی۔ اس دوران بی بی نے نہایت حوصلے، ہمت اور سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو کبھی لڑائی لڑی۔ انہوں نے پاکستان میں اپنے کارکنوں سے رابطہ نہیں ٹوٹنے

رواداری پر یقین رکھتی تھیں، جب 80 کی دہائی کے آخر میں وہ پاکستان آئیں تو اس وقت کراچی میں الطاف حسین سیاست میں سرگرم تھے۔ بے نظیر نے مہاجر قومی موومنٹ کی جانب مفاہمت کا ہاتھ بڑھایا۔ مجھے انہوں نے مفاہمت کا پیغام دے کر نائن زیرو بھجوایا تھا۔ میں الطاف حسین سے ملی اور انہیں کہا کہ بی بی چاہتی ہیں کہ سندھ میں سب کو مل کر

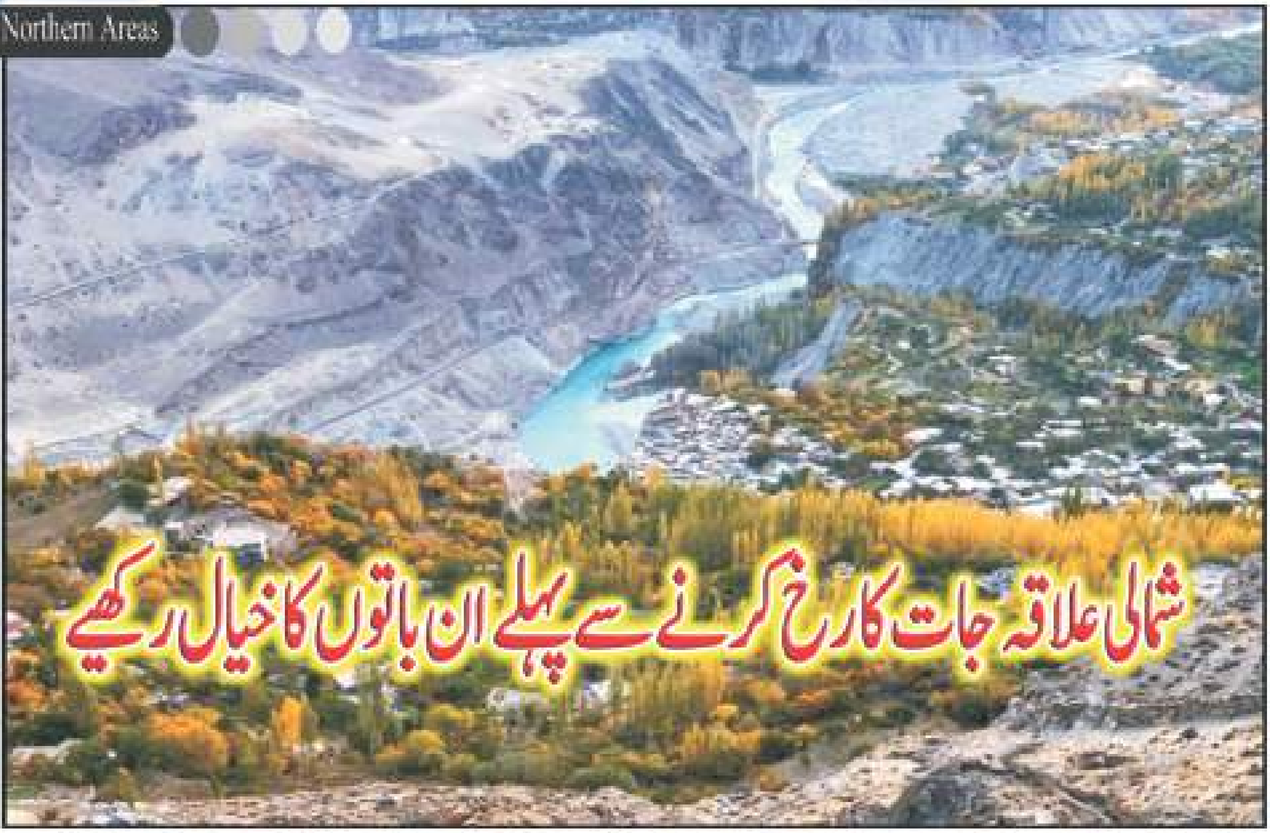

# شمالی علاقہ جات کا رخ کرنے سے پہلے ان باتوں کا خیال رکھیے

گزشتہ کچھ برسوں میں شمالی علاقہ جات کا رخ کرنے والے سیاحوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، جس میں زیادہ تر ملکی اور بڑی تعداد میں غیر ملکی بھی شامل ہیں۔ تاہم مقامی سیاحوں کی نسبت غیر ملکی سیاح علاقے کے حوالے سے نہ صرف مکمل تحقیق کرکے وہاں کا رخ کرتے ہیں بلکہ وہاں کی دشواریوں، ضروریات اور ممکنہ خطرات سے نمٹنے کے لیے بھی بھرپور تیاری کے ساتھ آتے ہیں۔ اس کے برعکس مقامی سیاح اس قدر لاپروا ہیں کہ دیو قامت پہاڑوں کے دشوار گزار راستوں میں چھوٹی گاڑیوں کے ساتھ آجاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو گاڑیاں پھنس جاتی ہیں یا خراب ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی گاڑیاں کھائی، دریاؤں میں گرنے کے بعد ہلاکتیں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

بہت سے مقامی سیاح سرد علاقوں میں گرم کپڑوں کے بغیر چلے آتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ بیمار ہوتے ہیں اور کئی مرتبہ سردی سے ٹھٹھر کر جان کی بازی بھی ہار جاتے ہیں۔ مری میں ہونے والی ہلاکتوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ شمالی علاقہ جات کا رخ کرنے سے قبل، مقامی سیاحوں کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ اپنے ساتھ کیا سامان لانا چاہیے؟ کس جگہ جانا چاہیے اور کہاں جانے سے گریز کرنا چاہیے؟ اس مختصر بلاگ میں ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

### سفر کے لیے کیسی گاڑیاں استعمال کریں؟

شمالی علاقہ جات میں زیادہ تر سڑکیں کچی اور چڑھائی، اترائی پر مشتمل ہیں، راستے دشوار گزار، تنگ اور پتھریلے ہیں۔ جب تک آپ آف روڈ ڈرائیونگ میں مہارت نہیں رکھتے، وہاں خود گاڑی نہ چلائیے۔ اس کے علاوہ سوائے فور ویل گاڑیوں کے اور کوئی چھوٹی گاڑی ساتھ نہ لائیں۔ راستے میں آپ کو سیلابی ریلا، برفانی یا مٹی کے تودے یا پہاڑوں سے گرتے ہوئے پتھر مل سکتے ہیں، جہاں آپ کی چھوٹی گاڑی پھنس سکتی ہے۔

### کپڑوں کا انتخاب

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ گرمیوں میں گرم کپڑے ساتھ لے کر شمالی

علاقہ جات جانے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ بارش کے بعد اور تیز ہواؤں کے چلنے سے گرمی کے موسم میں بھی ٹھنڈ میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ احتیاط کا تقاضا بھی ہے کہ آپ اپنے ساتھ گرم کپڑے ضرور لے کر جائیں۔

کھانے پینے کی اشیا کا خیال

شمالی علاقہ جات میں ہوٹل اور ریسٹورنٹس بکثرت موجود ہیں تاہم وہاں کے کھانوں کا ذائقہ آپ کے لیے بے ذائقہ ثابت ہو سکتا ہے، کیوں کہ وہاں پر مرچ مصالحے کا زیادہ رواج نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کھانا نسبتاً مہنگا بھی ہے۔ اس لیے اگر آپ کھانوں کے زیادہ شوقین ہیں تو کوشش کر کے اپنے ساتھ ہی گوشت وغیرہ لے جائیں اور خود ہی پکا کر کھائیں۔

کن مقامات پر جانے سے گریز کریں؟

دریاؤں کے پاس جانا انسان کو فطرت کے قریب لے جاتا ہے۔ مگر کبھی کبھار یہ شوق آپ کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جب آپ شمالی علاقہ جات کا رخ کرتے ہیں۔ کئی ایسے واقعات سامنے آئے ہیں جہاں دریا میں گر کر مقامی سیاح لاپتہ ہو گئے۔ اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ دریاؤں کے قریب جائیں مگر زیادہ قریب نہیں، کیونکہ وہاں دریا تیزی سے بہتے ہیں اور ماہر تیراک بھی بعض اوقات ہمت ہار جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ پہاڑ کی چوٹی یا کسی بڑے پتھر کے آخری کونے یا کسی درخت پر چڑھ کر تصاویر بنانے سے گریز کیجیے، کیوں کہ گرنے کی صورت میں آپ جان سے ہاتھ دھو سکتے ہیں۔ سیلابی ریلے اور برفانی تودوں کا بھی خیال کیجیے۔ پہاڑوں پر اکیلے چڑھنے سے اجتناب کیجیے۔ کوئی جنگلی جانور بھی آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے، اس لیے احتیاط بہتر ہے۔

سیر کے لیے کون سا وقت مناسب ہے؟

یہ نکتہ شاید سب سے زیادہ اہم ہے۔ بہت سے مقامی سیاح سردیوں میں ناردرن ایریاز کی طرف چلے جاتے ہیں جو خطرے سے خالی نہیں۔ گرمیوں میں جانا مناسب ضرور ہے مگر محکمہ موسمیات سے متعلقہ رپورٹ لینے کے بعد جانا آپ کو ممکنہ خطرات سے بچا سکتا ہے۔ مثلاً حالیہ دنوں میں گلوبل وارمنگ کی وجہ سے گلیشیئرز بڑی تیزی سے پگھل رہے ہیں اور سیلاب کی صورت اختیار کر کے پلوں اور سڑکوں کو ملیامیٹ کر رہے ہیں۔ ان دنوں شمالی علاقہ جات کا رخ کرنا بڑی مصیبت کو دعوت دینے جیسا ہے۔

سیاحتی اخلاقیات کی پاسداری کیجیے

اس نکتے پر ہمارے ملک میں کم ہی بات ہوتی ہے۔ جب آپ کسی علاقے میں سیاحت کی غرض سے جاتے ہیں تو آپ اپنے شہر یا علاقے کے سفیر کے طور پر جاتے ہیں۔ آپ کے اچھے یا برے رویے سے لوگوں کی آپ کے بارے میں رائے قائم ہوتی ہے۔ سیاحتی اخلاقیات میں سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھیے کہ مقامی لوگوں یا ماحول کو آپ کی وجہ سے کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ سیاحتی مقامات میں گند پھیلانا، بغیر اجازت مقامی افراد کی تصاویر یا ویڈیوز بنانا، علاقے کے حوالے سے من گھڑت معلومات فراہم کرنا یا وہاں کی ثقافت یا تہذیب کے حوالے سے منفی پروپیگنڈا کرنا اخلاقی اور قانونی جرم ہے، جس سے آپ کے مسائل میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

جس طرح آپ اپنے گھر کا خیال رکھتے ہیں، گھر کے افراد کو ترجیح دیتے ہیں، اسی طرح پاکستان بھی ہمارا گھر ہے۔ اسے صاف رکھنا، اس کے شہریوں کا خیال رکھنا اور اس کا مثبت پہلو اجاگر کرنا ہمارا اخلاقی فریضہ ہے۔ ایک سیاح ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں جاتا ہے تو وہاں ان کو مختلف نظریات، روایات اور عقیدوں کے شہری ملتے ہیں، اور یہی تکثیریت کی خوبصورتی ہے کہ ہم نئے لوگوں اور مختلف نظریات کے حامل ذہنوں سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ اپنے سے مختلف اقدار اور روایات کا خیال رکھے بغیر آپ سیر سپاٹے کر سکتے ہیں مگر ایک ذمے دار سیاح نہیں بن سکتے۔

23
MARCH
PAKISTAN
RESOLUTION
DAY
یوم قرارداد پاکستان کی صرف ایک تاریخ نہیں، بلکہ ہمارے وجود، ہماری شناخت اور ہمارے
خوابوں کی حقیقت بننے کا دن ہے۔
پاکستان زندہ باد
SYED KUMAIL HYDER SHAH
CHAIRMAN SUKKUR DISTRICT COUNCIL
SYED NASIR HUSSAIN SHAH
MINISTER OF SINDH P&D AND ENERGY
PAKISTAN PEOPLES PARTY

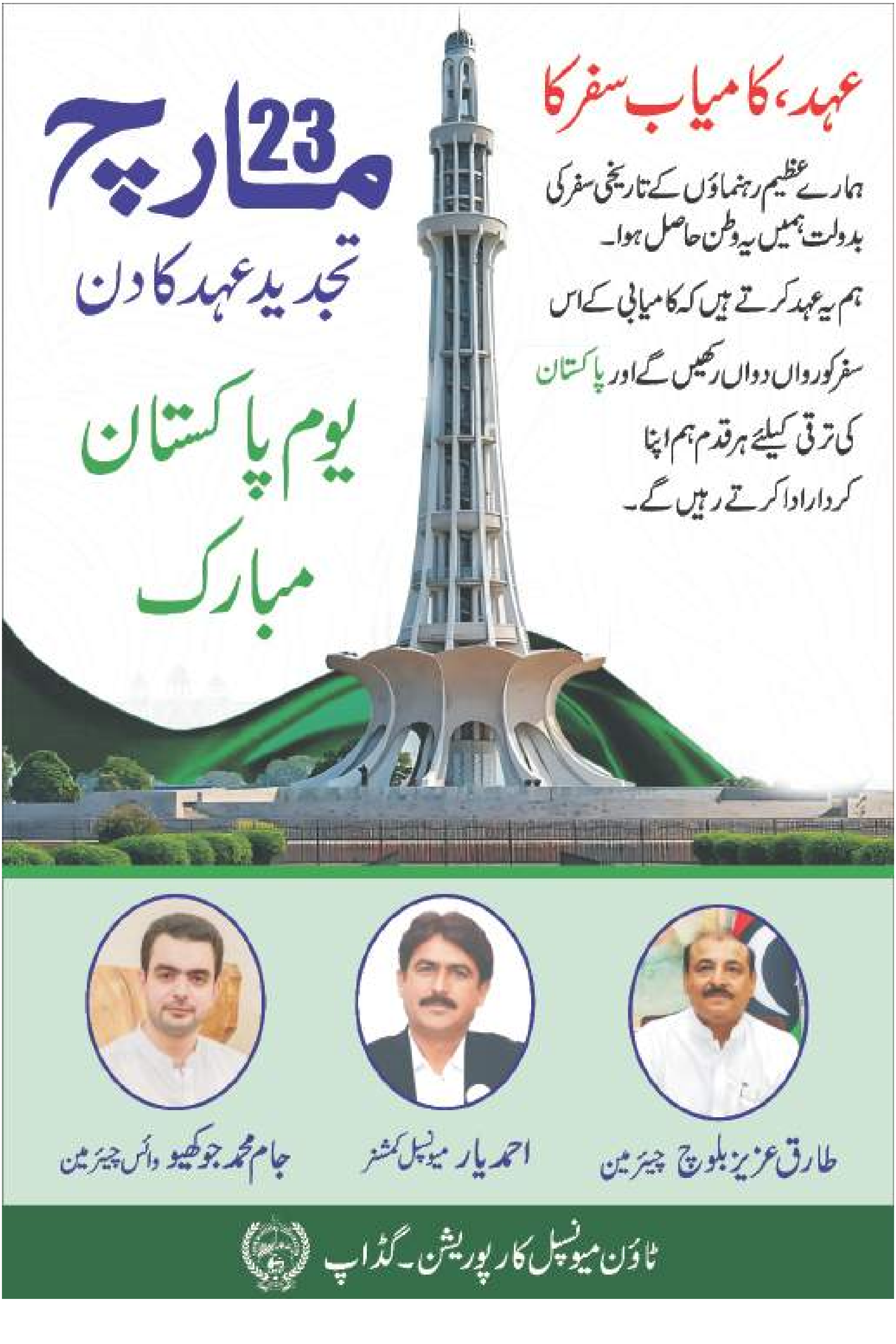
23 مارچ
تجدید عہد کا دن
یوم پاکستان
مبارک
عہد، کامیاب سفر کا
ہمارے عظیم رہنماؤں کے تاریخی سفر کی بدولت ہمیں یہ وطن حاصل ہوا۔
ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ کامیابی کے اس سفر کو رواں دواں رکھیں گے اور پاکستان کی ترقی کیلئے ہر قدم ہم اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔
طارق عزیز بلوچ چیئرمین
احمد یار میونسپل کمشنر
جام محمد جوکھیو وائس چیئرمین
ٹاؤن میونسپل کارپوریشن۔ گڈاپ

ARTICLE

تحریر: ڈاکٹر سیدہ سرور

سید علی خامنہ ای رہبر امتِ مسلمہ اور ایک روحانی پیشوا کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی شخصیت کو بہت سے لوگ نہ صرف ایران بلکہ پوری مسلم دنیا میں مزاحمت اور استقامت کی علامت سمجھتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہودی اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے مزاحمت کا راستہ اختیار کیا اور اپنے موقف پر ثابت قدم رہے۔ ایک روایت کے مطابق جب ان کی شادی ہوئی تو شادی کی رات انہوں نے اپنی زوجہ سے کہا کہ خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ اگر زندگی میں موت آئے تو شہادت کی صورت میں آئے۔ روایت ہے کہ اس رات کو دعا کی قبولیت کی رات سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ان کی زوجہ نے بھی ہاتھ اٹھا کر اپنے شوہر اور اپنے لیے شہادت کی دعا مانگی۔ کہا جاتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ دعا قبول ہوئی اور شہادت کا مرتبہ نصیب ہوا۔ تاریخی طور پر یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سید علی خامنہ ای کا نسب حضور اکرم ﷺ کی آل سے جاملتا ہے اور وہ حضرت امام زین العابدینؑ کی نسل سے ہیں، یعنی حسینی سادات میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی نسبت نے ان کی شخصیت کو مزید روحانی وقار عطا کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں مزاحمت اور استقلال کا راستہ اختیار کیا اور طاقتور عالمی قوتوں کے سامنے جھکنے کے بجائے اپنے موقف پر قائم رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اپنے آخری ایام میں جب حالات انتہائی کشیدہ ہو چکے تھے تو بعض قریبی ساتھیوں اور کمانڈروں نے انہیں مشورہ دیا کہ اپنی جان کے تحفظ کے لیے بنکرز میں منتقل ہو جائیں۔ مگر انہوں نے اس تجویز کو قبول نہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر رمضان المبارک کے مہینے میں

# سید علی خامنہ ای: ایک مردِ مجاہد

حالت میں شہادت نصیب ہو جائے تو اس سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اہلِ بیتؑ کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر حاضر ہو۔ روزے کی جلد ہی حملوں کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کی شہادت نے ایرانی قوم کے اندر ایک نئی روح اور جذبہ پیدا کیا۔ قوم ایک نئے ولولے کے ساتھ متحد ہوئی اور اپنے نظریات کے دفاع کے لیے کھڑی ہو گئی، جبکہ بہت سے مسلم ممالک اس صورتِ حال کو خاموشی سے دیکھتے رہے۔ اسی تناظر میں ایک ٹی وی پروگرام میں ایک صحافی نے امام حسینؑ کی شہادت کے تاریخی واقعے کو موجودہ حالات سے جوڑتے ہوئے ایک معنی خیز سوال اٹھایا۔ اس نے کہا کہ لوگ اکثر پوچھتے ہیں کہ جب کربلا میں امام حسینؑ کو شہید کیا گیا تو مسلمان کہاں تھے۔ آج کے حالات کو دیکھ کر اس سوال کا جواب خود بخود سامنے آجاتا ہے کہ مسلمان کہاں کھڑے ہیں۔ تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جب بھی حق اور باطل آمنے سامنے آئے ہیں تو بظاہر حق کے علمبرداروں کو قربانی دینا پڑی ہے۔ مگر قرآنِ کریم واضح طور پر کہتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں۔ شہیدوں کے خون کی تاثیر ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ ان کی قربانیاں آنے والی نسلوں میں بیداری، حوصلہ اور عزم پیدا کرتی ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شہادت صرف ایک فرد کی موت نہیں بلکہ ایک نئی زندگی اور نئے شعور کی ابتدا ہوتی ہے۔

اسی حقیقت کو ایک شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

# آن لائن دکان کیوں اور کیسے کھولی جائے؟

انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر ذرا سی توجہ آن لائن دکان یا ای کامرس کو پاکستان میں مضبوط بنیاد فراہم کر سکتی ہے جو کہ پاکستان کی معیشت اور عام عوام دونوں کیلئے سود مند ثابت ہو سکتی ہے۔

آبادی کے لحاظ سے پاکستان دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے لیکن معاشی اعتبار سے یہ ملک بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ پاکستان میں کئی طرح کے معاشی عوامل ہیں۔ مگر پاکستان میں انسانی وسائل سب سے اہم اور فوری توجہ کا محتاج ہے۔ ٹیکنالوجی کی تیز ترین ترقی نے آج کی دنیا کو تبدیل کر دیا ہے۔ انہی تبدیلیوں میں کاروبار اور روزگار کے نت نئے طریقے اور انداز ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان ان جدید اور نئے معاشی مواقعوں سے فائدہ اٹھائے۔ ٹیکنالوجی کی مدد سے انتہائی قلیل وقت اور قلیل سرمائے سے نہ صرف انسانی وسائل کو ترقی دی جا سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے ملکی معیشت کو بھی فی الفور فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ ٹیکنالوجی کی دنیا ایک سمندر کی مانند ہے جہاں نت نئے معاشی مواقع موجود ہیں۔ تاہم ان نئے معاشی مواقعوں میں آن لائن دکان یا ای کامرس سب سے تیزی سے پھیلنے والا کاروبار ہے۔ عام کاروبار کی طرح ای کامرس کی بھی کئی اقسام و درجات ہیں۔ تاہم یہاں ہم صرف ای کامرس کے چند فوائد اور اہم نکات کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں۔

ای کامرس کے چند فوائد درج ذیل ہیں۔

- کم سرمایہ سے شروع کیا جا سکتا ہے۔
- گھر سے شروع کیا جا سکتا ہے۔
- پوری دنیا آپ کی خریدار ہو سکتی ہے۔
- آن لائن دکان ہر وقت کھلی رہتی ہے۔
- کسی بھی زبان میں کیا جا سکتا ہے۔

انٹرنیٹ پر کاروبار کی اقسام کا احاطہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ جو سوچیں وہ ممکن ہے والی بات ہے۔ تاہم یہاں ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے ای کامرس کی چند مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

- اس حوالے سے جو سب سے زیادہ کام کیا جا رہا ہے وہ ملبوسات کا کاروبار ہے۔ یہ نسبتاً آسان ہے، یہی وجہ ہے کہ ملبوسات کے میدان میں پہلے سے موجود آن لائن فروخت کنندگان کا مقابلہ کرنا کٹھن ثابت ہو سکتا ہے۔
- تحائف کی فروخت بھی ایک منافع بخش کاروبار ہے۔ تاہم اس میں کامیابی کے لئے اشیاء کی وسیع تعداد درکار ہوگی تاکہ کسی بھی قسم کے گاہک کو مایوسی نہ ہو۔
- بچوں کی اشیاء بھی ہر وقت کی ضرورت ہے اور والدین کے لئے ایک اچھی اور معیاری آن لائن دکان متاثر کن ثابت ہو سکتی ہے۔
- گھریلو دستکاری، تصاویر اور ہاتھ سے تیار کردہ اشیاء با آسانی انٹرنیٹ کے ذریعہ فروخت کی جا سکتی ہیں۔
- مقامی طور پر گھریلو کھانا، کیک، مٹھائی وغیرہ کی انٹرنیٹ کے ذریعہ فروخت، ان خواتین و حضرات کے لئے ایک بہترین کمائی کا ذریعہ بن سکتا ہے جو کسی وجہ سے گھر سے باہر روزگار کے لیے نہیں جا سکتے۔

مختصر یہ کہ کوئی بھی شخص اپنی سکت و مہارت کو مدنظر رکھتے ہوئے انٹرنیٹ کی کاروباری دنیا کا حصہ بن سکتا ہے۔ تاہم جس طرح ہر کام سے پہلے مشورہ اور غور و خوض ضروری ہے، بالکل اسی طرح انٹرنیٹ پر کاروبار کرنے سے پہلے بھی اس کے اچھے اور برے ہر پہلو کا جائزہ لے لینا چاہئے اور کسی تجربہ کار فرد سے مشورہ بھی انتہائی اہم ہے۔ ای کامرس کی ناکامی کے اسباب مختلف نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔ مگر درج ذیل اسباب سب سے زیادہ اہم ہیں۔

- ناقص منصوبہ بندی

انٹرنیٹ کے جہاں لاتعداد فوائد ہیں، وہیں اس کا سب سے بڑا فائدہ یعنی معلومات کی دستیابی اور اس تک ہر خاص و عام کی رسائی ہی اس کی سب سے بڑی کمزوری بھی ہے۔ معلومات کے اس بہاؤ، بے جا تشہیر اور دوسروں کی کامیابی کی مثالوں کی بنیاد پر اکثر لوگ بغیر تحقیق اور منصوبہ بندی کے آن لائن دکان بنا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آن لائن دکان کا انٹرنیٹ پر

اجزا ہی انہیں چند مہینوں میں کامیابی سے ہمکنار کروا دے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا اور وہ جلدی ہمت ہار جاتے ہیں۔

● کاروبار سے ناواقفیت

منصوبہ بندی کا سب سے اہم پہلو آن لائن دکان پر کیے جانے والے کام سے واقفیت ہے۔ اگر پہلے سے اس کام سے واقفیت ہے تو انٹرنیٹ پر کامیابی کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں اور مطلوبہ نتائج بھی جلد مل سکتے ہیں۔

● تشہیر کی کمی

کاروبار سے وابستہ افراد تشہیر کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ مگر انٹرنیٹ پر آن لائن دکان کھولنے والوں میں اکثریت نوزائیدہ افراد کی ہوتی ہے جنہیں پہلے سے کاروبار کا تجربہ نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ تشہیر کی اہمیت کو نہیں سمجھ پاتے اور تشہیر میں سرمایہ نہیں لگاتے جس کے نتیجے میں ان کی آن لائن دکان دوسری دکانوں کا مقابلہ نہیں کرپاتی۔

● مصنوعات میں خامیاں

مصنوعات کا معیار اور دیانتداری آن لائن دکان میں سب سے اہم ہے۔ ایک بار اگر گاہک کا اعتماد اٹھ گیا تو پھر وہ واپس نہیں آتا۔ لیکن جو گاہک مطمئن ہوگیا تو وہ از خود اس دکان کی تشہیر بن جاتا ہے اور دوسروں کو بھی وہیں سے خریداری کا مشورہ دیتا ہے۔

● ترسیل میں پریشانی کا سامنا

آن لائن دکان پر آرڈر دینے کے بعد سے ہی خریدار کا انتظار شروع ہوجاتا ہے اور وہ جلد از جلد اشیاء کو اپنے ہاتھ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ بس یہ انتظار جتنا ہی کم ہوگا اتنا ہی خریدار اس آن لائن دکان کو دوسری دکانوں پر ترجیح دے گا۔ اس لیے اگر آپ نے آن لائن کاروبار کو شروع کرنے کا فیصلہ کرہی لیا ہے تو ترسیل کے حوالے سے بھی معاملات پہلے طے کرلینے چاہیے کہ آپ جتنے دن میں سامان پہنچانے کا وعدہ کریں اس سے تاخیر ہرگز نہ ہو۔ آخر میں یہ بات قابل دلچسپ ہوگی کہ پاکستان میں اب تک آن لائن خریداری کا تخمینہ 30 ملین ڈالر کا لگایا گیا ہے اور امکان ہے کہ 2018ء تک یہ 60 ملین ڈالر تک پہنچ جائے گا۔ پاکستان میں موبائل فون کی پانچ مختلف کمپنیاں ہیں جن کے صارفین کی تعداد 14 کروڑ سے تجاوز کرگئی ہے۔ یقیناً حقیقی استعمال کنندگان کی تعداد اس سے انتہائی کم ہوگی۔ تاہم اگر نصف کی صورت میں بھی 7 کروڑ صارفین کے ہاتھوں میں موبائل فون موجود ہے تو سستے اسمارٹ فون، تیز رفتار اور سستے انٹرنیٹ کنکشن کی بدولت یہی 7 کروڑ صارفین آن لائن دکان یا ای کامرس کے بھی ممکنہ صارف بن سکتے ہیں اور یہ تو صرف پاکستان کی بات ہو رہی ہے، جبکہ آن لائن دکان یا ای کامرس کا صارف تو کوئی بھی اور کہیں سے بھی ہو سکتا ہے یعنی آن لائن دکان یا ای کامرس کا دائرہ لامحدود ہے۔ انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر ذرا سی توجہ آن لائن دکان یا ای کامرس کو پاکستان میں مضبوط بنیاد فراہم کرسکتی ہے جو کہ پاکستان کی معیشت اور عوام دونوں کیلئے سود مند ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ آن لائن دکان یا ای کامرس کا مستقبل انتہائی درخشاں ہے۔

*****

# طبی ماہرین نے تھری ڈی پرنٹنگ کے ذریعے 10 دواؤں کی ایک گولی تیار کرلی

سنگاپور: تندرستی ہزار نعمت ہے اور دنیا میں اس وقت کئی لوگ ہیں جو روزانہ کئی دوائیں اور گولیاں کھاتے ہیں اور اس سے اکتا بھی جاتے ہیں لیکن اب اس کے لئے سائنسدانوں نے تھری ڈی پرنٹنگ کے ذریعے ایسی گولی تیار کرلی ہے جو کئی دواؤں کا مجموعہ ہے اور اپنے وقت پر یہ دوا خارج کرتی ہے۔

تھری ڈی پرنٹنگ کے ذریعے بنائی گئی گولی کو کئی دواؤں کے بدلے لیا جاسکتا ہے جو مریض کی تمام ضروریات کے لیے کافی ہوگی۔ یہ کام نیشنل یونیورسٹی آف سنگاپور نے کیا ہے جنہوں نے تھری ڈی طریقے کے ذریعے بہت سی دواؤں کو ایک ایسے کیپسول میں بند کیا ہے جو وقفے وقفے سے اپنے وقت کے مطابق مریض کے جسم میں خارج ہوتی رہتی ہیں گی۔

ماہرین کے مطابق اس دوا میں کسی شے کی کمی نہیں ہے اور یہ کئی دوا کو ایک ساتھ کھانے کا کم خرچ اور جدید طریقہ ہے۔ اس سے قبل بنائی گئی دوا کی مقدار اور خوراک (ڈوز) کو برقرار رکھنا بہت مشکل تھا لیکن اس دوا میں ایسا نہیں ہے۔ اس کے لئے ڈاکٹر مریض کو دی جانے والی دوا، خوراک اور روزانہ کا وقت طے کرتا ہے اس کے بعد کمپیوٹر اوپر یہ کا ایک ٹیمپلیٹ بناتا ہے جس میں دواؤں کی مقدار کا تعین کیا جاتا ہے پھر تمام تفصیلات تھری ڈی پرنٹر کو بھیجی جاتی ہیں۔

پرنٹر میں ایک بے ضرر پالیمر اپنے اندر دواؤں کو گھولتا ہے اور اسے ایک سانچے میں ڈھال کر دوا بناتا ہے۔ اس کے بعد اسے بغیر دوا والے پالیمر میں دوبارہ ڈبویا جاتا ہے۔ دوا کھاتے ہوئے اس کا بیرونی پالیمر دھیرے دھیرے گھل جاتا ہے اور اس کے اندر موجود دوا مختلف وقتوں میں خارج ہوتی رہتی ہے۔ اوپر کی تصویر میں دوا کا جو ماڈیول دکھایا گیا ہے وہ پانچ دوائیں پانچ وقت میں خارج کرتا ہے۔ اس کے استعمال سے اب صرف ایک دوا کھانے کی ضرورت ہوگی اور جو اپنے وقت پر بدن میں جاتی رہتی گی۔

# پانی سے ہے زندگی کی روانی
# جسے بچانا ہم سب کی ذمہ داری

**بڑھتی گلوبل وارمنگ اور متوقع خشک سالی میں پانی کا ہر قطرہ قیمتی ہے**

گلیشیئرز ہماری زمین کا قیمتی اثاثہ ہیں، جو پانی کے ذخائر اور ماحولیاتی توازن کے ضامن ہیں۔ مگر موسمیاتی تبدیلی کے باعث یہ تیزی سے پگھل رہے ہیں۔ آج پانی کا عالمی دن ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ پانی کے تحفظ کا شعور اجاگر کریں اور خشک سالی کے خطرے سے اپنی نسلوں کو بچانے کے لیے روزمرہ زندگی میں پانی کی بچت کو یقینی بنائیں۔

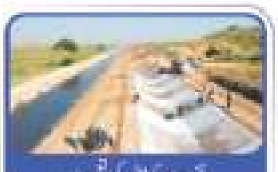

نئی حب کینال کی تعمیر اور پرانی حب کینال کی بحالی کا منصوبہ

وزیر اعلیٰ سندھ کو میئر کراچی حب کینال منصوبے پر بریفنگ دے رہے ہیں

وزیر اعلیٰ سندھ کو میئر کراچی منصوبے پر بریفنگ دے رہے ہیں

میئر کراچی سیوریج ٹریٹمنٹ پلانٹ TP-III منصوبے کا دورہ کر رہے ہیں

دھابیجی پمپنگ اسٹیشن سے کراچی کو پانی فراہم کرنے والی لائن

کمپلینٹ مینجمنٹ سینٹر

## حکومتِ سندھ اور میئر کراچی
## بیرسٹر مرتضیٰ وہاب کی سرپرستی میں

## KW&SC کے انقلابی اقدامات:

- کراچی میں اضافی پانی کی فراہمی کیلئے نئی حب کینال کی تعمیر اور پرانی حب کینال کی بحالی
- سیوریج ٹریٹمنٹ پلانٹ **TP-III** آپریشنل **54 MGD** پانی کی ٹریٹمنٹ کرنے کا آغاز
- کمپلینٹ مینجمنٹ سینٹر **24/7** ہیلپ لائن **1334** فعال
- حکومت سندھ اور ورلڈ بینک کے تعاون سے دھابیجی پمپنگ اسٹیشن پر **40** سال پرانی **72** انچ قطر پانی کی لائن کی تبدیلی کا کام تیزی سے جاری

[ پانی کفایت شعاری سے استعمال کریں کیونکہ یہ ہمارا دینی، قومی، معاشرتی فریضہ اور وقت کی اہم ضرورت بھی ہے ]


## کراچی واٹر اینڈ سیوریج کارپوریشن

9-میل، کارساز، شاہراہ فیصل کراچی

021-99245138, 99245140
info@kwsc.gos.pk
www.kwsc.gos.pk
Live Dashboard: https://campaign.kwsc.gos.pk

KWSCOFFICIAL
/KWSCOFFICIAL
/kwscofficial


نیا عزم نئی پہچان

KWSC/DPR/2025/24

# کراچی کا مضافاتی علاقہ "گڈاپ"

ہم نے اپنا سفر صبح 8 بجے شروع کیا اور اپنے ہمراہ گڈاپ کی سماجی شخصیت محمد علی بلوچ صاحب کو اپنے ہمراہ لیا اور ذکار ہوٹل پر صبح کی چائے پی کر آگے چل دیئے، اگر آپ کو پورے گڈاپ کو دورہ کرنا ہے تو آپ کو تقریباً 2 دن لگ سکتے ہیں۔ گلشن معمار سے گڈاپ کا آخری حصہ تقریباً 145 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے لیکن دشوار گذار اور پتھریلے راستے آپ کے سفر کو مزید طویل بنا دیتے ہیں۔ گڈاپ میں نمایاں مقامات نیشنل کیتھر پارک، میر جبل، موئیدان، گنڈہ جھنگ، دار گھنڈ، کار سینٹر، تھڈو ڈیم، لٹھ ڈیم، مور وغیرہ شامل ہے۔ گڈاپ کی خاص پیداوار پالک، لوکی، آلو، پیاز، ٹماٹر، بینگن، کدو، امرود، چیکو سمیت کئی اقسام کی سبزیاں اور پھل شامل ہیں، ہم نے دوپہر کے کھانے میں بھی وہیں کی کاشت کی ہوئی تازہ سبزیوں سے بنی بھجیا تناول کی اور خاص طور پر میری فرمائش پر رات کے کھانے میں بھی سبزی کا انتخاب کیا گیا۔

گڈاپ میں سفر کرتے ہوئے آپ حیرت میں مبتلا ہو جائیں گیں، راستے میں پُر اسرار پہاڑ، چھوٹی بڑی چوٹیاں، صحرا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ گڈاپ کے علاقے میں وائلڈ لائف کا محکمہ بھی موجود ہے، کیونکہ ان علاقوں میں بڑی تعداد میں نایاب جانور بھی پائے جاتے ہیں جس میں پاکستان کا قومی جانور مارخور، ہرن اور مور قابل ذکر ہیں۔ گڈاپ میں موجود میر جبل جو کہ سطح زمین سے تقریباً 1800 فٹ کی بلندی پر واقع ہے میں رات کے پہر میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے اتنے قریب نظر آرہے تھے کہ جیسے ہاتھ بڑھا کر چھو لیا جائے۔

گڈاپ میں سب سے بڑا مسئلہ مواصلاتی نظام، ٹرانسپورٹ اور پانی کا ہے گڈاپ میں ندی کے قریب تو کنویں کے ذریعے پانی ملنے کا امکان ہوتا ہے اور اسی پانی سے مقامی افراد نے کھیتی باڑی سے اپنا روزگار کا سلسلہ قائم کیا ہوا ہے، لیکن ندی سے دور دراز گاؤں شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ بیشتر فلاحی ادارے گڈاپ کے مضافات میں اپنا کام انجام دے رہے ہیں لیکن یہ مسائل کو حل کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت وقت اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے گڈاپ کی عوام کے لئے کم از کم زندگی کے سب سے اہم جزو پانی کے مسئلہ کو فوری حل کرنے کے لئے فلاحی اداروں سے مل کر بہتر حل نکالیں تاکہ گڈاپ کی عوام کچھ سکھ کا سانس لے سکتے ہیں۔

علاج و معالجے کی ناکافی سہولیات بھی گڈاپ ٹاؤن کا ایک المیہ ہے۔ فلاحی ادارے اپنے محدود وسائل کو استعمال کرتے ہوئے ہفتہ میں 1 دن میڈیکل کیمپ کا اہتمام کرتے ہیں جن سے چھوٹی موٹی بیماریوں کا علاج تو کر دیا جاتا ہے، لیکن کسی بڑے مرض کی تشخیص کے لئے مریض کو شہر کے کسی بڑے اسپتال میں داخل کرائے بغیر مسئلے کا حل ممکن نہیں۔ اس علاقے میں غربت اور افلاس کا یہ عالم ہے کہ لوگ مریض کا علاج کرانے سے قاصر ہیں اور علاج کرا بھی لیں تو کرواہیں کیسے کہ یا تو وہ وقت کی روٹی کا انتظام کر لیا جائے یا پھر علاج کروالیا جائے، دونوں چیزیں ایک ساتھ وہاں ممکن ہی نہیں۔ اس کے علاوہ ٹرانسپورٹ کی کمی بھی گڈاپ کے باسیوں کا ایک بڑا مسئلہ ہے جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹرانسپورٹرز زائد کرائے وصول کرتے ہیں اور لوگ دینے پر مجبور ہیں۔

حکومتی عدم توجہی کا شکار، قدرتی حسن سے مالا مال اس علاقے پر اگر توجہ دی جائے تو سیاحوں کے لئے یہ نہایت ہی بہترین جگہ بن سکتی ہے۔ اس طرح نہ صرف آمدن میں اضافہ ہوگا بلکہ سیاحت میں اضافے سے مقامی لوگوں کے معاشی حالات بھی بہت حد تک بہتر ہو سکتے ہیں۔ اس وقت مقامی افراد کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی اور مال مویشی ہے لیکن کئی سالوں سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے گڈاپ قحط سالی کا شکار ہے، اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو مسائل میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے جو انسانی المیے کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ آخر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ گڈاپ ایڈوینچر ٹور کرنے والوں کے لئے نہایت ہی خوبصورت جگہ ہے، تو جائیے اور گڈاپ ٹاؤن کے دلفریب مناظر سے لطف اٹھائیے۔

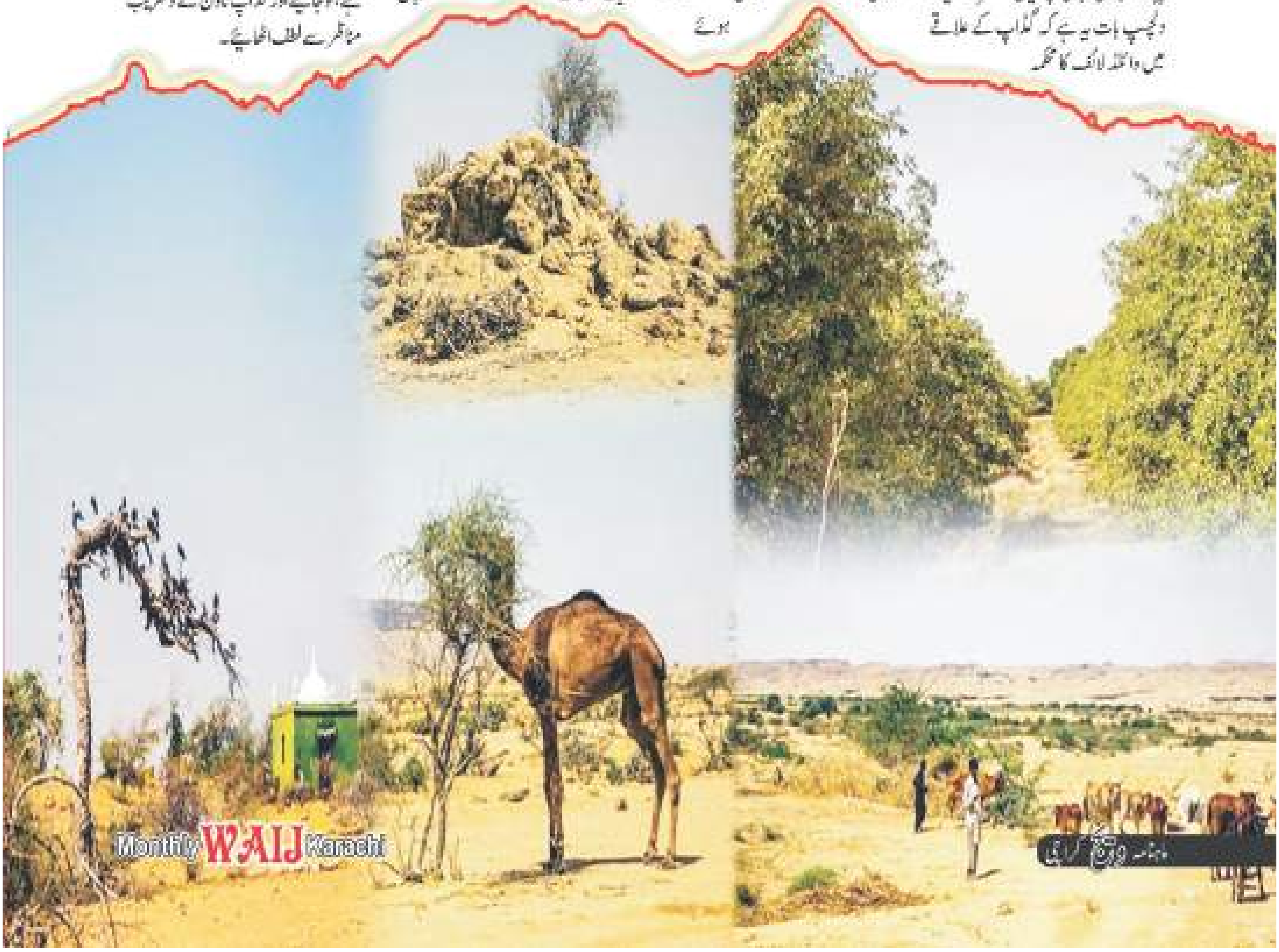

# دہرے عالمی معیار

خرم علی راؤ

فرض کریں کہ پچھلے کچھ دنوں سے ہم زیادہ تر سوشل میڈیا کے وسیلے سے ہندوستان میں جو کچھ ہوتا دیکھ رہے ہیں، وہ سب پاکستان میں ہو رہا ہوتا یا پاکستان کر رہا ہوتا تو دنیا بھر میں منظرنامہ کیا ہوتا؟

فرض کریں کہ پاکستان میں کوئی این آر سی جیسا اقلیتوں کے خلاف امتیازی قانون پاس ہوا ہوتا۔ فرض کریں کہ پاکستان میں کسی متنازع علاقے میں مہینوں سے ایسا کرفیو نافذ ہوتا کہ پرندہ بھی پر نہ مار سکتا اور لوگ بدترین محصور زندگی گزارنے پر مجبور کردیے گئے ہوتے اور اگر بین الاقوامی مبصرین، ادارے یا میڈیا اس کرفیو زدہ علاقے تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو انہیں ٹکا سا جواب دے کر منع کردیا جاتا۔ فرض کریں کہ پاکستان میں کسی گرجا یا مندر کو کھلے عام جلایا جاتا، توڑا پھوڑا جاتا اور دوسری اقلیتوں کی مذہبی یادگاروں کو کھلے عام دیدہ دلیری سے پرجوش مذہبی نعرے لگاتے ہوئے منہدم کیا جاتا۔ فرض کریں کہ راہ چلتے غیر مسلم لوگوں کو پکڑ کر ان سے اپنے مذہب کے خلاف جبراً نعرے لگوائے جاتے، انہیں بے دردی سے مارا جاتا اور یہ سب کرنے والوں کی سرپرستی ریاست پاکستان کھلے عام کر رہی ہوتی تو پھر کیا خیال ہے آپ کا کہ ساری دنیا بالخصوص مغربی دنیا میں کیا حال ہوتا اور کیسا شور مچا ہوا ہوتا؟

پھر کچھ ایسا ہوتا کہ دنیا بھر کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں ایک طوفان اور بھونچال آیا ہوا ہوتا۔ یہ نام نہاد آزاد عالمی میڈیا پاکستان اور اس کی آڑ میں اسلام کو طرح طرح سے نشانہ بنا رہا ہوتا۔ اقوام متحدہ میں آئے دن دھڑا دھڑ اجلاس ہو رہے ہوتے اور پاکستان کے خلاف قراردادیں لائی جا رہی ہوتیں یا لائے جانے پر غور کیا جا رہا ہوتا۔ انسانی حقوق کے بین الاقوامی ادارے شدید غم وغصے کا اظہار کرتے نظر آرہے ہوتے۔ سوشل میڈیا پر پاکستان مخالف ویڈیوز اور تبصروں کا جیسے سیلاب آیا ہوا ہوتا۔ اس ملک میں اقوام متحدہ کی امن فوج اتارنے کے بارے میں غور کیا جا رہا ہوتا اور ساری نام نہاد مہذب دنیا اور انسانی حقوق کے ٹھیکیداروں کو انسانی ہمدردی کا بخار چڑھا ہوا ہوتا۔ پاکستان کو ساری دنیا میں معطون کیا جا رہا ہوتا اور بہت سے ممالک اس ملک سے سفارتی تعلقات توڑنے یا معطل کرنے پر غور کر رہے ہوتے اور شاید اب تک پاکستان پر عالمی پابندیاں بھی عائد کی جاچکی ہوتیں۔

کیا ایسا نہ ہوتا؟ یقیناً کم وبیش ایسا ہی ہو رہا ہوتا، بلکہ شاید لکھا کم گیا ہے اس سے کچھ زیادہ ہی پیش آرہا ہوتا۔

اب یہ سب کیونکہ انڈیا میں ہو رہا ہے، اس لیے عالمی میڈیا میں ایک سکون کی سی کیفیت ہے۔ گاہے گاہے تبرک کے لیے کچھ تھوڑی بہت خبریں وہاں کی دنیا بھر کے میڈیا میں پیش کی جا رہی ہیں، ورنہ دیگر اہم معاملات پر توجہ زیادہ مرکوز ہے۔ اسی طرح انسانی حقوق کے عالمی

ہوارے بھی کبھی کبھار کوئی رسمی اور نمائشی سا بیان جاری کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتے نظر آرہے۔ کیونکہ انڈیا ایک بہت بڑی تجارتی مارکیٹ ہے اور عالمی تجار و ساہوکار اسے ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ پھر مزید یہ کہ نقصان اٹھانے والے، کرفیو میں سسک سسک کر جینے والے، مارے کاٹے اور جلائے جانے والے لوگ کیونکہ مسلمان ہیں، اس لیے عالمی ممالک خاص طور پر مغربی ممالک اور ان کے چیف امریکا بہادر کو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

یہ وہ دہرے عالمی معیار ہیں، جن سے تقریباً ہر اوسط درجے کی عقل رکھنے والا فرد واقف ہے کہ جب بات مسلمانوں کے علاوہ کسی اور برادری، طبقے یا گروہ کی ہو تو انسانی حقوق کے معیار ایک دم بہت ارفع و اعلیٰ شکل اختیار کرلیتے ہیں لیکن جب بات، معاملہ اور مسئلہ مسلمانوں کا ہو تو کیونکہ وہ تو شاید عالمی پیمانوں کے مطابق انسان ہی نہیں ہیں، بلکہ نیم انسان ہیں، اس لیے سارے انسانی حقوق اور ان کے عالمی علم بردار اپنی اپنی دمیں سمیٹ کر خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ بات اداروں اور ممالک کے تناظر میں کہی جارہی ہے۔ عوامی سطح پر ہر ملک کے عام لوگ انڈیا میں بپا ہونے والے المیوں پر مضطرب اور پریشان ہیں۔ جس کا ثبوت ساری دنیا کے عوام کی جانب سے سوشل میڈیا پر پوسٹ ہونے والی سیکڑوں اور ہزاروں ویڈیوز سے مل رہا ہے۔

لیکن عالمی صاحبان اختیار و اقتدار کیونکہ اپنی اپنی سیاسی اور تجارتی مصلحتوں کے اسیر ہیں، اس لیے انہیں شاید نہ کچھ دکھائی دے رہا ہے اور نہ ہی کچھ سنائی دے رہا ہے۔

اس بات میں کوئی دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں کہ ہندوستان میں جو کچھ اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ ہورہا ہے، وہ ظلم و جبر کی بدترین مثال ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ بڑی دیدہ دلیری سے سرکاری سرپرستی میں ہورہا ہے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے فسادیوں اور ظالموں کی بیخ کنی کرنے کے بجائے ان کی سرپرستی کرتے نظر آرہے ہیں۔ اس سارے المیے کا کیا انجام ہوگا اور یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا، ابھی کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن ہندوستان کے علما و مشائخ نے اس ساری بدترین صورتحال کو نظر میں رکھتے ہوئے اگر کہیں دفاعی جہاد کا مشترکہ اعلان کردیا تو پھر جو کچھ ہوگا اس کا ابھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ فتنہ عناصر، فسادی اور پولیس تو پولیس پھر تو اس جہادی رد عمل کو انڈیا کی آرمی بھی نہیں سنبھال پائے گی۔

چلو غیر تو غیر ہیں، ان سے کیا وفا کی توقع کرنا۔ لیکن دکھ تو مسلمان ممالک پر ہوتا ہے کہ سوائے ترکی اور ملائیشیا کے کسی مسلم ملک نے بدترین بھارتی مظالم کی مذمت نہیں کی۔ جو اس نے اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں پر روا رکھے ہوئے ہیں۔ مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک میں لاکھوں بھارتی کام کررہے ہیں۔ اگر صرف اور صرف ڈرانے کے لیے ہی یہ مسلمان ممالک ان سب بھارتیوں کو فی الفور ڈی پورٹ کرنے کا صرف بیان ہی دے دیں تو دنیا دیکھے گی کہ بی جے پی سرکار کے ہوش اڑ جائیں گے اور یہ سارے بھارتی مظالم گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوجائیں گے کہ بنیے کی فطرت ہے کہ وہ مال میں کمی کو تو کیا اس میں کمی آنے کے خدشے کو بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ لیکن ہمارے یہ امیر ترین مسلم ممالک ایسے خاموش ہیں جیسے گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھے ہوں۔ تو پھر یہ سب مناظر دیکھ کر اور غیروں کے ساتھ ساتھ اپنوں کی بے حسی کا مشاہدہ کرکے مسلم امہ اور اس سے متعلقہ باتیں صرف جیسے باتیں ہی لگنے لگتی ہیں۔

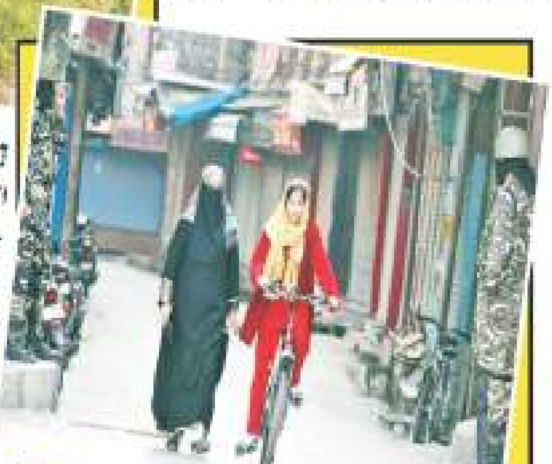

# مضبوط ادارے، مستحکم جمہوریت

اداروں کی تشکیل میں بنیادی اہمیت اس بات کو حاصل ہوتی ہے کہ کیسے ریاست کے نظم و نسق کو بہتر سے بہترین بنایا جائے؟ کیسے ریاستی امور کو جلد از جلد اور احسن طریقے سے انجام دیا جائے؟ اور کیسے عوام کو بنیادی سہولیات، ضروریات اور حقوق فراہم کیے جائیں؟ اداروں کی تشکیل کے وقت بنیادی اصول اور ضوابط کے ساتھ اداروں کی حدود و اختیارات کا بھی خوب خوب تعین کیا جاتا ہے تاکہ مختلف اداروں میں باہمی ٹکراؤ کی صورت پیدا نہ ہو۔ اداروں کی تشکیل کے بعد بنیادی اہمیت اور توجہ اس بات پر صرف کی جاتی ہے اور فی الواقع کی بھی جانی چاہیے کہ ادارے مکمل بااختیار بھی ہوں اور اداروں کا مجموعی نظام صاف و شفاف بھی ہو۔ ایک ریاست کے اندر ریاستی ادارے نہ صرف حکومتی رٹ کو برقرار رکھتے ہیں بلکہ حکومتی کارکردگی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

اداروں کی تشکیل کے بنیادی ضوابط اور اصول سمجھ لینے کے بعد اگر پاکستانی اداروں کا جائزہ لیا جائے تو صورت حال مایوس کن ہے۔ کرپشن، رشوت، سفارش، اختیارات کا بے جا استعمال اور سیاسی اثر و رسوخ تو گویا ہمارے نظام کی رگ و جاں میں سرایت کر چکے ہیں۔ ہمارے ہاں اگرچہ اداروں کی تشکیل کے وقت اداروں کو مکمل غیر جانبدار اور کلی مختار بنایا جاتا ہے لیکن عملی طور پر صورتحال اس سے یکسر مختلف ہے۔ ہمارے

اداروں کے پاس کسی بھی بڑی شخصیت کے خلاف کارروائی کرنے کا کوئی اختیار ہی نہیں، بلکہ معاملہ تو یہ ہے کہ جن اداروں کو ایسے افراد کے خلاف کارروائی کی ضرورت ہے وہی ادارے ایسے افراد کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

اس حقیقت کا اعتراف سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج جسٹس عظمت سعید شیخ نے نیب کے پلی بارگین کیس میں ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ 250 روپے کی کرپشن کرنے والے کلرک کو تو جیل بھیج دیا جاتا ہے لیکن اربوں روپے کی کرپشن کرنے والوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سپریم کورٹ نے تو فقط ایک مثال کو حوالہ بنایا لیکن ایسے ہی درجنوں واقعات ہم خود صبح و شام اخبارات اور ٹی وی میں دیکھتے اور سنتے ہیں۔ درجنوں ایسے واقعات براہ راست خود ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں جو آئے روز قانون وانصاف کی اس تفریق و امتیاز کا شکار ہوتے ہیں۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے ہی پانامہ کرپشن اسکینڈل کی سماعت کے دوران ریمارکس دیتے ہوئے نہ صرف نیب اور دوسرے اداروں کی کارکردگی پر سوال اٹھایا بلکہ برہمی کا اظہار بھی کیا اور اس بات کا اقرار کیا کہ ادارے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہے۔

یہ بات کون نہیں جانتا کہ پاکستان کو درپیش چیلنجز میں سب سے بڑے چیلنج دہشت گردی اور کرپشن ہے اور ان دونوں چیلنجز سے نمٹنے والے اداروں کی روداد آپ نے جان لی اور یہ کسی مخالف سیاسی جماعت کا بیان یا اخباری رپورٹ نہیں ہے بلکہ ملک کی سپریم کورٹ کے الفاظ ہیں جو دوران سماعت ادا کیے گئے ہیں۔ اگر انتخابی نعروں کی بات کی جائے تو پاکستان کی تمام ہی سیاسی جماعتیں کرپشن سے بھرپور نفرت کا اظہار کیا کرتی ہیں اور اسے جڑ سے ختم کرنے کا وعدہ بھی کرتی ہیں، یہی نہیں بلکہ یہی جماعتیں کسی نہ کسی صورت خود کو جمہوریت کی چیمپئن بھی قرار دیتی ہے لیکن تلخ حقائق یہ ہیں یہ محض ہاتھی کے دانت ہیں۔

اور ہیں۔

یہ تو پاکستان کے چند بڑے اداروں کی نہایت تازہ مثالیں ہیں، باقی وہ ادارے جن کے ساتھ عوام کا براہ راست واسطہ پڑتا ہے خود اپنی ذات میں ایک الف لیلیٰ ہیں مگر یہ صفحات یا حروف طوالت ان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لیکن اخبارات، ٹی وی اور ذاتی مشاہدے سے ہر ہر شخص حقیقت حال سے خوب خوب واقف ہے۔ پاکستانی عوام (بشمول سیاست دانوں) کا تصور جمہوریت نہایت محدود ہے جو محض انعقاد الیکشن تک ہی محدود ہے حالانکہ محض بر وقت انتخاب منعقد ہونا ہرگز کل جمہوریت نہیں ہے، کیونکہ انتخابات اور ریفرنڈم تو دورِ آمریت میں ہوتے رہے لیکن ایسے کسی بھی انتخابی عمل کو آج تک شرف قبولیت حاصل نہیں ہو سکا۔ دورِ آمریت کے انتخابی عمل کو شرف قبولیت حاصل نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آمریت محض واحد کی حکومت ہوتی ہے جس میں افراد اور اداروں سے آزادی، خود مختاری اور غیر جانب داری چھین کر فرد واحد سے وفاداری کا حلف لیا جاتا ہے اور من پسند نتائج حاصل کیے جاتے ہیں۔

اس لیے مجھے کہنے دیجیے کہ مضبوط ادارے نہ صرف جمہوریت کو آمریت سے ممتاز کرتے ہیں بلکہ مضبوط ادارے ہی جمہوریت کی بنیاد ہے۔ اگر ادارے صاف شفاف اور غیر جانبدار ہوں گے تو ریاست کا مجموعی نظام بہتر ہوگا، تبھی عوام کا ریاست اور ریاست کے اداروں پر اعتبار بحال ہوگا جس سے معاشرے میں رائج ناجائز ذرائع سے کام نکلوانے کا عملی طور پر سدباب ہو سکے گا۔

حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا
لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر

# سرچ انجن "یاہو" کے نام کی تبدیلی پر غور

ای میل سروس اور سرچ انجن یاہو اور ''ویریزون'' (Verizon) نامی کمپنی کے درمیان مذاکرات جاری ہیں جن کے کامیاب ہو جانے کی صورت میں ''یاہو'' کا بڑا حصہ ویریزون کی ملکیت بن جائے گا جبکہ یاہو کے پاس کچھ جائیداد کے علاوہ صرف چینی ای کامرس کمپنی ''علی بابا'' اور یاہو جاپان میں حصص ہی باقی رہ جائیں گے۔ ایسی صورت میں یاہو کا موجودہ بورڈ آف ڈائریکٹرز بھی تبدیل ہو جائے گا۔

چونکہ علی بابا میں یاہو کے حصص کی مالیت خاصی زیادہ ہے اس لیے کمپنی نے اندرونی طور پر فیصلہ کیا ہے کہ وہ بھی علی بابا کی تقلید کرتے ہوئے اپنا نام بدل کر ''ایلٹابا'' (Altaba) کرلے گی لیکن صرف ایسا اس صورت میں ہوگا جب ویریزون کے ساتھ اس کا سودا حتمی طور پر طے پا جائے۔

بحرانوں سے گھری ہوئی ''یاہو!'' کمپنی کی ساکھ کو پچھلے سال ان خبروں سے بھی شدید نقصان پہنچا جن میں بتایا گیا تھا کہ یاہو پر موجود 1.5 ارب (150 کروڑ) ای میل اکاؤنٹس کی سیکیورٹی ممکنہ طور پر متاثر تھی جس کا ہیکروں نے فائدہ بھی اٹھایا تھا۔ ان خبروں سے پہلے تک اندازہ تھا کہ ویریزون تقریباً 5.8 ارب (580 کروڑ) ڈالر میں یاہو کا بڑا حصہ خرید لے گا لیکن پھر ان مذاکرات میں وقتی تعطل آگیا۔

اس وقت یاہو اور ویریزون میں ایک بار پھر فروخت سے متعلق مذاکرات شروع ہو چکے ہیں اور توقع ہے کہ جنوری 2017 کے اختتام تک اس معاہدے کو حتمی شکل دے دی جائے گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو یاہو کا موجودہ نام بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔ انٹرنیٹ سیکیورٹی کے تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یاہو میں امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے لئے ایسی ٹیکنالوجی پر کام جاری ہے جس کے ذریعے ای میلز پر نظر رکھی جاسکے گی اور ان میں موجود متن کو کسی بھی خاص لفظ یا مجموعہ الفاظ کے لئے کھنگالا بھی جاسکے گا۔

اس ٹیکنالوجی کا مقصد ای میل کے متن کی بنیاد پر دہشت گردوں اور شرپسندوں کے منصوبوں سے قبل از وقت آگاہ ہونا ہے۔ اگرچہ یاہو نے اب تک ان خبروں کی تصدیق نہیں کی ہے لیکن پھر بھی اسے آزادی اظہار کے حامیوں کی طرف سے شدید تنقید کا سامنا ہے۔

# بولنے والا موبائل

ایک وقت تھا جب پاکستان میں پائیدار، مضبوط اور دیرپا چلنے والے موبائل سیٹ متعارف ہوئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب موبائل ہاتھ میں لے کر چلنا ایک اسٹیٹس کا حصہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ موبائل سیٹ بہت مہنگے اور عوام کی پہنچ سے دور تھے۔ لیکن پھر وقت نے کروٹ لی اور پھر نئی نئی موبائل سیٹ کمپنیوں کی پاکستان میں آمد ہوئی جنہوں نے جدید اور سستے موبائل متعارف کروانے شروع کیے۔

ان کی خاص بات یہ تھی کہ ان میں موجود فیچرز، جیسے ٹچ موبائل، ریڈیو، ٹارچ، ایک سے زیادہ سم لگانے کی سہولت وغیرہ بیک وقت موجود تھیں۔ پھر اس پر مزید یہ نہایت سستے داموں مارکیٹ میں نظر آنے لگے۔ پھر اس کے ساتھ بھی عوام نے وہی سلوک کیا جو ہر نئی آنے ٹیکنالوجی کے ساتھ پاکستانی عوام کرتی ہے۔ موبائل سیٹ اتنے عام ہوئے کہ اب گدھا گاڑی والے سے لے کر ایک فقیر کے پاس بھی موبائل آگیا۔

عوام کے ہاتھ موبائل آنے سے گویا عوام کو قوت گویائی مل گئی۔ جسے دیکھو موبائل پر کسی نہ کسی سے بات میں مصروف نظر آئے گا۔ کوئی راہ چلتے موبائل پر بات کرتے ہوئے چلاتا دکھائی دے گا تو کوئی گاڑی چلاتے ہوئے کانوں سے موبائل یا ہینڈ فری لگائے دکھائی دے گا اس سے آگے بڑھ کر آپ کو کہیں نہ کہیں کوئی راہ چلتے موبائل سے سائٹیں لیتا نظر آئے گا تو کوئی موبائل پر ٹیکسٹ میسجز کرنے میں مصروف ہے۔

وقت نے گویا سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔ لوگ جو ملنے کے لیے دور دراز سے ایک دوسرے کے گھر آیا جایا کرتے تھے، اب موبائل پر بات کر کے وقت بچا لیتے ہیں۔ اپنوں سے جڑے لوگ گھر کے اپنوں سے بھی دور چلے گئے ہیں۔ ناشتے کی میز پر بیٹھا بچہ اپنے والد کو دیکھ رہا ہے جو ناشتہ کے ساتھ ساتھ موبائل سے بھی لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اسکول میں بچے پڑھنے کے بجائے موبائل سے استفادہ کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ کر بات کر سکیں۔ لکھنے پڑھنے کا رجحان تو پہلے بھی نہیں تھا اور موبائل نے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور ایک ایسی زبان متعارف کروا دی جسے پتا نہیں کیوں رومن اردو کا لقب دے دیا گیا۔ خط لکھنے کا رواج گویا ختم ہو کر رہ گیا اور پھر جواب کا انتظار۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ پہلے گھڑی ختم ہوئی پھر ریڈیو ختم ہوا، پھر ٹارچ ختم ہوئی اور اب کیمرے بھی مارکیٹ سے غائب ہو رہے ہیں۔

آج اگر صحیح معنوں میں کوئی کمپنی پاکستان میں بزنس کر رہی ہے تو وہ یہی موبائل کمپنیاں ہیں جن کے اشتہارات سے ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ موبائل ہی ہے۔ لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ جیسے جیسے موبائل کے کسٹمرز میں بے حساب اضافہ ہوا ہے۔ اسی قدر موبائل کے سیٹ اور ان کی کوالٹی میں بھی فرق آیا ہے۔ لوگ ایک سیٹ ایک سال وارنٹی میں رکھ کر وارنٹی ختم ہونے سے پہلے فروخت کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس سے ان کو شاید اچھی قیمت مل نہ ملے لیکن نیا موبائل مل جاتا ہے۔ استعمال کرو اور پھینکو کی پالیسی نے پاکستانی عوام کے نفسیاتی رحجان میں بھی تبدیلی پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے دوستی کرکے نبھانے کے بجائے استعمال کرکے بھول جاتے ہیں یا چھوڑ دیتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر موبائل خریدتے وقت پر انہیں چیزوں کو نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ پائیدار اور مضبوطی کو ہمیشہ پیش نظر

رکھتا ہوں۔ یہی سوچ کر نوکیا کا ایک موبائل سیٹ خریدا تھا کہ جس میں شاید وہ سب فیچرز نہیں تھے جو ایک اچھے موبائل کی پہچان سمجھے جاسکتے ہوں لیکن پچھلے دنوں یہ موبائل بھی 6 ماہ بعد ہی دھوکہ دے گیا۔ میں نے موبائل کا وارنٹی کارڈ نکالا اور اس پر دیئے گئے کسٹمر کیئر سینٹر گلشن اقبال برانچ جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ اسے یہاں سے بند ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے اور اب ان کا صرف ایک ہی آفس ہے جو عبداللہ ہارون روڈ پر واقع ہے۔ ایک بار غلطی کرنے کے بعد دوبارہ غلطی کرنا بھی مناسب نہ تھا۔ اس لیے پہلے گوگل کے نقشہ پر اسے تلاش کرکے اس بات کو یقینی بنایا کہ اب یہ غلطی نہ ہونے پائے۔ لیکن جب وہاں پہنچا تو پتا چلا کہ دفتر یہاں سے تھوڑا دور عمر بلاک، فاطمہ جناح روڈ پر شفٹ ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچے تو علم ہوا کہ میرے موبائل میں ایک دلچسپ فیچر ہے جس سے میں اس سے قبل واقف نہ تھا اور وہ یہ کہ موبائل بولتا بھی ہے۔ خراب ہونے والے موبائل نے بتایا کہ اس میں پانی گیا ہے۔ اس سے قبل کمیونیکیشن نے سیٹ دیکھتے ہی بتادیا تھا کہ یہ کہیں گرا ہے۔ اس لیے وارنٹی کلیم نہیں ہوسکتی۔ میں یہاں سے نامراد لوٹنے والا اکیلا شخص نہ تھا بلکہ اس سے قبل بھی میرے سامنے کئی حضرات لڑتے جھگڑتے جاچکے تھے۔ یہ پہلی بار نہیں ہوا بلکہ کئی بار میرا سابقہ دوسری موبائل کمپنیوں کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے۔ وارنٹی دینا ایک بات ہے اور اسے نبھانا دوسری بات۔ یہ واقعہ سنانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ میرا سیٹ تو سستا سا تھا۔ جسے میں ٹھیک کروالوں گا لیکن موبائل سیٹ کمپنیوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ لوگوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہیں۔ اگر وہ اشتہارات کے بجائے کسٹمرز پر تھوڑا پیسہ خرچ کردیں تو شاید ایک بار کسٹمر بننے والے کسی دوسرے کے پاس بھی نہ جائیں اور اگر آپ نے وارنٹی کو نبھانا نہیں ہے تو برائے کرم اس طرح لوگوں کو خوار نہ کریں۔ موبائل کے ساتھ دیئے گئے وارنٹی کارڈ پر تمام پتے اور نمبرز غلط شائع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آپ کس قدر کسٹمرز کے ساتھ سنجیدہ ہیں۔ آج میں نے آپ کے سامنے موبائل کا وہ فیچر رکھا ہے جس سے آپ اس وقت واقف ہوں گے جب آپ کا موبائل وارنٹی کے اندر خراب ہوگا۔ یہ بات حقیقت ہے کہ جب تعداد بڑھ جائے تو معیار میں فرق آہی جاتا ہے۔ اور ویسے بھی ہم معیار کے نہیں تعداد کے قائل ہیں۔

*****

Daily
ABC Certified/Member APNS
The NEWS LARK
An Independent Voice
The name The News Lark refers to messenger bird "LARK" that has a destination beyond the azure sky. It wakes up early in the morning and with its melodious voice further passes on the message of awareness.
The News Lark is chiefly designed for such readers who want to kill their curiosity regarding every news affair National/ International that can give the readers a better know how of what is happening around the world.
JAMLIK
Marketing Services
Monthly WAIJ Karachi
The first and only bilingual/comprehensive family and health magazine of Pakistan published in Urdu and Sindhi languages. Monthly Waij is now completing its 27th year of publication.
Disseminating helpful and beneficial health tips and latest information for entire family besides latest fashion trends and continental cuisines. The colorful and exotic magazine is committed to the healthy journalism.
ADVERTISING
MARKETING
ADVERTISING
MARKETING
NEWS LARK
Office: Suit# UF-12, Clifton Shopping Galleria, Behind ISO House, Clifton, Karachi. Ph:
Email: jamlik11@yahoo.com , Web: www.thenewslark.com, E-mail: monthlywaij@gmail.com, facebook/monthlywaijmagazine.com

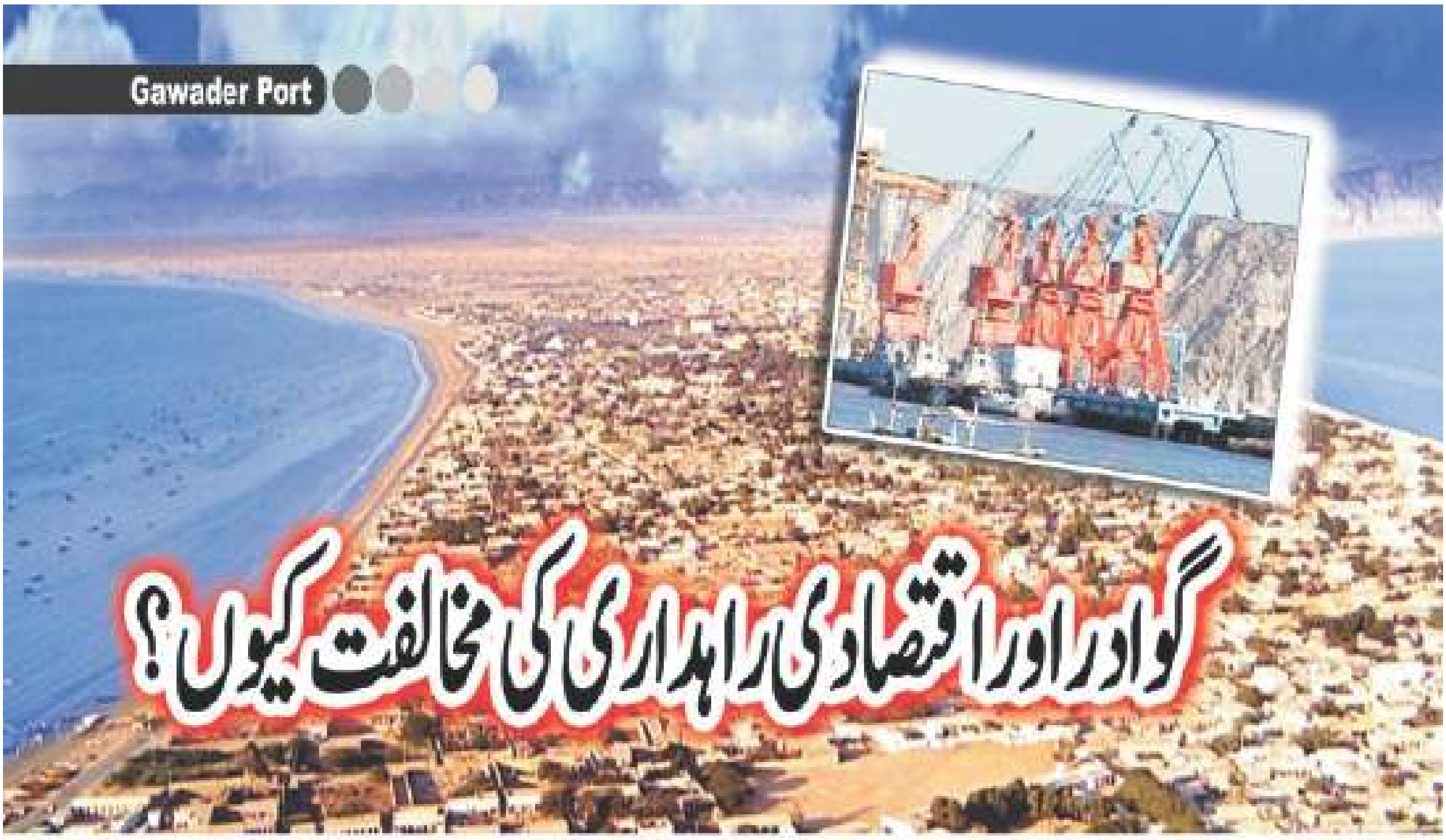

# گوادر اور اقتصادی راہداری کی مخالفت کیوں؟

مجھے وفاقی وزیر منصوبہ بندی جناب احسن اقبال کے چاروں لیکچر سننے کا موقع ملا ہے۔ یہ چشم کشا اور معلومات افزا لیکچرز چند دن پہلے پی ٹی وی پر دیے گئے ہیں۔ احسن اقبال اتنی تیاری سے سامنے آئے تھے کہ لیکچر کا کوئی پہلو ادھورا اور خام محسوس نہ ہوا۔ وہ ایک غیر ملکی یونیورسٹی میں پروفیسر بھی رہے ہیں؛ چنانچہ پی ٹی وی پر دیے گئے تمام لیکچروں میں وہ کامل دسترس رکھنے والے پروفیسر کی سی حیثیت میں نظر آتے رہے۔ ویسے شکل وصورت میں بھی وہ سیاستدان کم اور کسی جامعہ کے سنجیدہ اور لائق استاد زیادہ نظر آتے ہیں۔

انہوں نے ایک بار پھر پاکستان کی ترقی اور ترویج کے لیے ''چین پاکستان اکنامک کوریڈور'' (سی پیک)، جسے چین پاکستان اقتصادی راہداری بھی کہا جا رہا ہے، کا وسیع تر معنوں میں اپنا پیغام تمام سننے اور دیکھنے والوں تک پہنچا دیا ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ اس عظیم اور بے مثال منصوبے کو کس کس طرح اور کس کس شکل میں مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا ہے۔ وزیر اعظم جناب نواز شریف اور پاکستان کی عسکری قیادت یک زبان ہو کر سی پیک کی تکمیل کے لیے جس مستحکم لہجے میں اپنے عزم کا اظہار کر چکے ہیں، یہی امید رکھی جانی چاہیے کہ ان شاء اللہ، اقتصادی راہداری کا یہ منصوبہ بخیر و خوبی اپنی منزل سے ہمکنار ہوگا۔

''سی پیک'' منصوبہ جتنا عظیم الشان ہے، اس کی مخالفت کرنے اور اسے ناکام بنانے والے بھی اتنے ہی بڑے پیمانے پر سامنے آ رہے ہیں۔ بھارت اور امریکا ان مخالفین میں پیش پیش ہیں۔ دو برادر اسلامی ممالک بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔ جب سے مقبوضہ کشمیر میں بھارت کے خلاف نئے انداز میں حالات بگڑے ہیں، سی پیک کے خلاف بھارتی آوازیں اور سازشیں مزید بڑھ گئی ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال بھارتی خفیہ ادارے ''را'' کی زیر نگرانی ترتیب دیا جانے والا وہ لیکچر ہے جس میں ''سی پیک'' کی کھل کر مخالفت کی گئی ہے۔ جدید نقشوں، سٹیلائیٹ امیجوں اور جدولوں کی مدد سے دیا گیا یہ طویل لیکچر ایک بھارتی Dr Gaurav Garg نے دیا ہے جس میں سی پیک، گوادر پورٹ اور بلوچستان کے خلاف پوری ڈھٹائی کے ساتھ دریدہ دہنی کی گئی ہے۔ اس ہندو متعصب ''محقق'' ڈاکٹر گارگ نے غیر مبہم الفاظ میں بھارتی حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے: ''بھارت کو ہر صورت میں ''سی پیک'' منصوبہ ناکام بنا دینا چاہیے۔ بلوچستان کی بندرگاہ گوادر کو چین کے علاقے کاشغر سے ملانے والی یہ اقتصادی راہداری کو ناکام بنانے کے لیے بھارت کو بلوچستان کی محرومیوں کو عالمی سطح پر اجاگر کرنا چاہیے۔ کسی بھی صورت میں راہداری کو گلگت، بلتستان میں گزرنے سے روکنا ہوگا۔'' یوٹیوب پر پڑا یہ لیکچر میں نے خود سنا اور دیکھا ہے۔ پاکستان کے خلاف نہایت دل آزار اور قابلِ اعتراض زبان استعمال کی گئی ہے اور بھارتی ہیت میں اٹھنے والے مروڑ کا اظہار یوں کیا گیا ہے کہ اگر سی پیک منصوبہ کامیاب ہو گیا اور گوادر بندرگاہ پوری طرح بروئے کار آ گئی تو بھارت کی افغانستان اور ایران میں کی گئی تمام سرمایہ کاری اکارت چلی جائے گی۔ نئی ایرانی بندرگاہ چاہ بہار پر خرچ کیا جانے والا دو ارب ڈالر کا بھارتی سرمایہ بھی ڈوب جائے گا کہ ''چاہ بہار'' اور گوادر کے درمیان صرف 72 کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ بھارتی ڈاکٹر گارگ نے اپنے حکمرانوں سے کہا ہے کہ سی پیک کو ناکام کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بھارت عالمی سطح نواب اکبر بگٹی کی موت کے واقعہ کو زیادہ سے زیادہ اچھالنے کی کوشش کرے تاکہ بلوچستان کو ایک مظلوم صوبہ ثابت کیا جا سکے۔ سی پیک کے خلاف بھارت کی کوششیں اور سرگرمیاں کئی رنگی اور متنوع ہیں۔ مقصد فقط یہ ہے کہ پاکستان اس عظیم اور مفید پراجیکٹ، جس پر چین چھیالیس ارب ڈالر کا خطیر سرمایہ صرف کر رہا ہے، کو کبھی مکمل نہ کر پائے اور نہ ہی پاک چین تعلقات مزید آگے بڑھ سکیں۔ اس ضمن میں آٹھ نومبر 2016ء کو وطنِ عزیز کے ایک معروف انگریزی معاصر میں ایک حیرت انگیز خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی ہے: ''برطانیہ میں مقیم آزاد کشمیر کے ایک شخص (جو اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر بھی لکھتا ہے) کے پاکستانی شناختی کارڈ کی تجدید روک دی گئی ہے۔ الزام ہے کہ یہ شخص سی پیک کے خلاف بھارتی خفیہ ایجنسی سے تعاون کر رہا ہے۔ ایک حساس ادارے نے بھی مبینہ طور پر عدالت کے روبرو کہا ہے کہ مذکورہ شخص اینٹی پاکستان اور اینٹی سی پیک سرگرمیوں میں ملوث ہے۔

# کھارو چھان: قصہ سمندر کے ہاتھوں لُٹ جانے والی بستیوں کا

کناروں تک لبالب بھرے دریا کا سکون درہم برہم کرتی موٹر بوٹ پانی کو بانٹنے کی ناکام کوشش کرتی رواں دواں تھی۔ انجن کا شور لہروں کی مدھر آہٹ نگل

طور پر یونین کونسل ہے، جہاں برسوں پہلے زندگی ٹھہر گئی تھی اور اب سکتی جاری ہے۔ جس طرح بستیوں کو

کاشت کاروں کو ان کی محنت کا صلہ دیتی تھیں۔
مویشیوں کے لیے چارہ وافر مقدار میں دستیاب تھا، جس کے باعث گائے،

سسکتی جاری ہے
پھر کچھ ماحولیاتی تبدیلیوں اور کچھ پانی کی فراہمی کے معاملے میں زیادتیوں نے

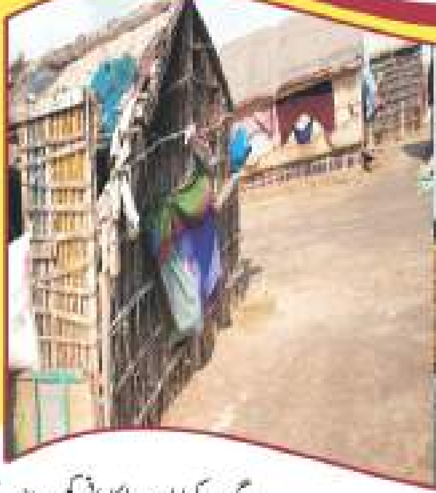

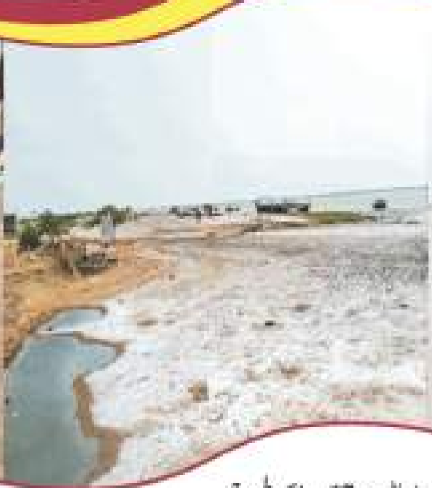

رہا تھا۔ میں نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور چلو بھر کر پیا۔ ہلکی سی کڑواہٹ بتا گئی کہ

آسیب اجاڑ دیتے ہیں، اسی طرح ان بستیوں کو سمندر کا کھارا پانی رفتہ رفتہ مٹا رہا ہے۔

بکری اور بھینس کا دودھ، گھی اور مکھن فراوانی سے میسر تھے۔ ہرے بھرے

رنگ دکھایا۔ دریا کا پانی کم ہوتا گیا، خشکی بڑھنے اور تری سمٹنے لگی۔ اس سے بھی بڑھ کر قیامت یہ ہوئی کہ اپنی

دریا کی لہروں میں سمندر کے پانی کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ یہ معمولی سی ترشی اس بہت بڑے المیے کی کہانی سناتی ہے جس نے 'کھارو چھان' کی زندگی میں

کبھی دریائے سندھ کا میٹھا پانی یہاں کے باسیوں کے لیے لہر در لہر خوشیاں اور جیون کے سندیسے لاتا تھا۔ ڈیلٹا کے

کھیتوں اور باغوں کے بیچ اپنی آخری منزل کی طرف بڑے وقار اور بہت سکون سے گامزن دریا نظر آتا۔ یہ فرحت بخش مناظر ہر دیکھنے والے کی

فطرت اور قدرت کے اصولوں کے مطابق اگر دریا سمندر سے منہ پھیر لے تو سمندر آگے بڑھ کر اس کی گزر گاہ اور

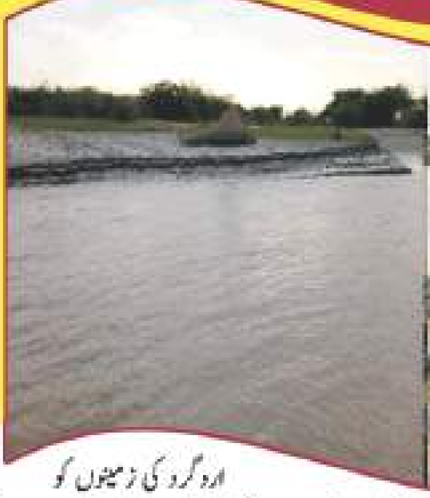

یوں تگنی گھولی کہ سب کچھ بدل کر رہ گیا۔
کھارو چھان دریائے سندھ کے ڈیلٹا میں واقع جزیرہ نما علاقہ ہے۔ درجنوں دیہات پر مشتمل کھارو چھان انتظامی

علاقے میں بسے ہوئے یہ لوگ سمندر میں دریا کے گرنے سے پہلے پہلے محبت اور مہربانیوں کی کتنی ہی سوغاتیں وصول کرتے تھے۔ دریا کا پانی ان کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا اور پھر زمینیں مختلف فصلوں کی صورت میں

نظر شاداب کر دیتے تھے۔
درجنوں دیہات پر مشتمل کھارو چھان انتظامی طور پر یونین کونسل ہے، جہاں برسوں پہلے زندگی ٹھہر گئی تھی اور اب

اردگرد کی زمینوں کو نگلنے لگتا ہے۔ یہی کچھ سمندر کھارو چھان اور دریائے سندھ کے ڈیلٹا کی دیگر زمینوں کے ساتھ بھی کر رہا ہے۔
سمندر کا کھارا پانی کھارو چھان کی زمینوں کو اجاڑ چکا ہے۔ اب یہ زمینیں

بنجر ہو کر کوئی فصل اگانے کے قابل نہیں رہتی ہیں۔ ان سے ہریالی روٹھ چکی ہے، جہاں کبھی نظر لہلہاتی فصلوں اور جھومتی شاخوں میں الجھ کر اپنا سفر روک دیتی ہوگی، آج وہاں دھوپ کی تپش میں تابناک سپاٹ زمین پر نگاہ جانے کتنی ہی دور تک مسافت کر سکتی ہے، یوں جیسے تپتی زمین پر گھسٹتی جھلستی چلی جارہی ہو۔ بس آبادی سے فاصلے پر جھاڑیوں کا جنگل ہے، جسے سبزہ کہہ کر دل کو تسلی دی جاسکتی ہے۔

کبھی دریائے سندھ کا میٹھا پانی یہاں کے باسیوں کے لیے لہر در لہر خوشیاں اور جیون کے سندیسے لاتا تھا

سمندر کی پیش قدمی سے پہلے یہ علاقہ کیسا سرسبز ہو گا اس کا اندازہ دریا کے کناروں پر اگے پیڑوں، پودوں اور جھاڑیوں سے ہوتا ہے۔ دریا کے ساتھ گامزن یہ سبزے کی لہر ساحل آنے سے پہلے ٹھہر جاتی ہے۔ میں اپنے ہم سفروں کے ہمراہ ڈانڈو جیٹی سے کشتی میں سوار ہو کر ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد جس ساحل پر اترا وہ دیہہ مصری جت تھا، جہاں پہنچتے ہی دل میں آنے والا پہلا خیال تھا کوئی ویرانی سی ویرانی ہے! لیکن تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد جب آبادی میں پہنچے تو سلیقے سے بنی خوبصورت جھونپڑیوں، صاف ستھری گلیوں اور غربت کے باوجود اجلے کپڑوں میں ملبوس لوگوں کو دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ جھونپڑے دیکھ کر لگتا تھا جیسے کسی فلم کے لیے سیٹ سجایا گیا ہے۔

چھپر کے نیچے بندھی بھینسیں، جھونپڑیاں اور ان پر لٹکتے رنگ برنگے کپڑے، جو دھونے کے بعد سوکھنے کے لیے پھیلائے گئے تھے، یہ مناظر بتارہے تھے کہ یہ گاؤں ہے، مگر اس ماحول و مناظر سے عاری تھا جو کسی گاؤں کو گاؤں بناتے ہیں، مطلب یہ کہ وہاں نہ کھیت کھلیان تھے، نہ درخت، نہ پودے۔

کھارو چھان کی زمینوں کی شادابی اور یہاں کے مکینوں کا روزگار تباہ کرنے میں 3 عوامل کارفرما ہیں، جن میں سے پہلے کا ذکر اس تحریر میں ہوچکا ہے، یعنی سمندر کا بڑھتے چلے آنا۔ سمندر کی اس یلغار کا سبب مختلف بیراج ہیں، جن کے بننے کے بعد نشیب کی طرف چھوڑے جانے والے پانی میں کمی آتی گئی اور ایک عرصے تک تو پانی چھوڑا ہی نہیں گیا۔ اس سال بھی صرف 15 دن پانی چھوڑا گیا۔ دریا کا پانی نہ آنے کی وجہ سے خشک ہوتی کھاڑیوں میں سمندری پانی آنے لگا، یوں زمینیں سمندر برد ہونے لگیں اور علاقے کی زراعت مکمل طور پر ختم ہوگئی۔

مقامی لوگوں کے افلاس کا دوسرا سبب یہاں گنجائش سے زیادہ ماہی گیری ہے۔ غیر مقامی اور غیر ملکی ماہی گیروں نے اس افراط سے مچھلیاں پکڑیں کہ مقامی ماہی گیروں کے لیے کچھ نہ بچا۔ باہر سے آنے والے ماہی گیر یہاں غیر قانونی جال استعمال کرتے ہیں، جو اپنی ساخت کے باعث ایک ساتھ مچھلیوں کی بہت بڑی تعداد پکڑ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان جالوں میں نوزائیدہ مچھلیاں بھی پھنس جاتی ہیں، یوں مچھلیوں کی افزائش نسل کو نقصان پہنچتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مقامی افراد اپنے واحد ذریعہ معاش سے بھی اتنی آمدنی حاصل نہیں کرسکتے کہ بنیادی ضروریات ہی پوری کرلیں۔

کھارو چھان کے باسی آپ کو ایسی کوئی شکایت کرتے نہیں ملیں گے کہ اسکول میں بینچیں نہیں، ہسپتال میں دوائیں نہیں، سیوریج کا پانی گلیوں میں کھڑا ہو جاتا ہے، نلکوں میں آلودہ پانی آرہا ہے کیونکہ وہاں نہ کوئی اسکول ہے، نہ ہسپتال، نہ سیوریج سسٹم، اور نہ پینے کے پانی کی فراہمی کا انتظام!

سندھ ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے تعاون سے کھارو چھان کے گاؤں آتھر میں ایک نجی اسکول قائم ہے اور صحت کی سہولت کے نام پر ایک سرکاری ڈسپنسری ہے، جس میں ڈاکٹر نہیں۔ چنانچہ اس علاقے میں خواندگی کا تناسب صفر ہے۔ بیماری یا زچگی کی صورت میں لوگ ڈھائی 3 گھنٹے کا سفر کرکے قریب ترین شہروں کا رخ کرتے ہیں۔

یہاں کسی گھر میں بیت الخلا نہیں، اس ضرورت کے لیے لوگ دیہات سے پرے اگی جھاڑیوں کی راہ لیتے ہیں۔ پینے اور کھانا پکانے کے لیے مقامی باشندوں نے تالاب بنا رکھے ہیں، جب دریا کے نشیب کی طرف پانی چھوڑا جاتا ہے تو وہ میٹھے پانی سے یہ تالاب بھر لیتے ہیں اور پھر مہینوں اس سے گزارہ کرتے رہتے ہیں۔ نہانے دھونے کے لیے انہیں کھارے پانی پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے۔ یہ تالاب بھی خشک ہو جائیں تو وہ کشتیوں میں بیٹھ کر شہروں کی طرف جاتے ہیں اور وہاں سے پانی ڈرموں میں بھر کر لاتے ہیں۔ ان کے لیے پانی کی ایک ایک بوند نہایت قیمتی

ہے، جسے انہوں نے اپنی غربت کے باوجود بھاری رقم دے کر خریدا ہوتا ہے، سو پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں کرتے۔ اسی طرح دیگر ضروری اشیا کے حصول کے لیے بھی انہیں گھنٹوں پر مشتمل طویل سفر کرنا پڑتا ہے۔ آلودہ پانی پینے کی وجہ سے یہاں کے باسیوں میں ہیپاٹائٹس سی، پیٹ کی بیماریاں اور خارش کا عارضہ عام ہیں۔ کھارو چھان کے رہنے والوں کو کچھ ملے نہ ملے 'گٹکا' وافر مقدار میں میسر ہے۔ مرد، عورت، بوڑھے، نوجوان یہاں تک کے بچے بھی گٹکا کھانے کی لت کا بُری طرح شکار ہیں۔ 'روزانہ گٹکے کی کتنی پڑیاں کھا جاتے ہو؟' میں نے ایک 15،16 سال کے لڑکے سے پوچھا، جس کے دانتوں کی سفیدی گٹکے کے کتھئی رنگ کے پیچھے معدوم ہوچکی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا '10'۔ یہاں کے لوگ سندھی کے علاوہ کوئی زبان نہیں جانتے، میری ٹوٹی پھوٹی سندھی اس موقعے پر میرے بڑے کام آئی۔ اسی لڑکے نے بتایا کہ 'گٹکے کی ایک پڑیا 20 روپے کی ملتی ہے اور یوں وہ روز 200 روپے کا گٹکا کھا جاتا ہے'۔ 'ہمیں اس علاقے کا دورہ کروانے والی این جی او ڈبلیو ڈبلیو ایف (ورلڈ وائلڈ فنڈ فار نیچر World Wide Fund for Nature) کے سینئر کنزرویشن افسر وقود کمار نے بتایا 'گٹکا ان کے لیے وٹامن کا کام کرتا ہے۔ جب یہ مچھلیاں پکڑنے 13، 14 دن کے لیے جاتے ہیں تو ان کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ ہو نہ ہو گٹکے کی درجنوں پڑیاں ضرور ہوتی ہیں'۔ وقود کمار نے یہ بھی بتایا کہ مقامی لوگ گٹکے کو 'چورو' کہتے ہیں۔ 'جب 6 یا 8 ماہ کی عمر کو پہنچ جانے والا بچہ روتا ہے تو اس کے منہ میں چورا (گٹکا) ڈال دیتے ہیں'۔ وقود کمار کا یہ انکشاف میرے لیے حیرت انگیز بھی تھا اور خوفناک بھی۔ یقیناً یہ بے رنگ زندگی کی اکتاہٹ اور یکساں روز و شب کی بیزاری ہے جس نے ان دیہات کے بسنے والوں کو اس نشے کا عادی بنا دیا ہے۔ پاکستان اور دنیا سے کٹے ہوئے اس علاقے میں ایک دو موبائل کمپنیوں ہی کے کمزور سگنل آتے ہیں۔ ٹی وی یہاں کسی گھر میں نہیں، بس کچھ ریڈیو سیٹ اپنے مالکان کی تفریح اور دنیا سے جڑے رہنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ تہذیب اور تعلیم کے گہواروں سے بہت دور زندگی بسر کرتے یہ لوگ اپنے رویوں میں نہایت شائستہ اور مہذب دکھائی دیے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دورے پر جانے والے مرد ان کے گاؤں میں داخل ہوں، لیکن ہمیں روکنے کے لیے انہوں نے کسی ناشائستگی، برہمی اور سختی کا ذرا بھی مظاہرہ نہیں کیا۔ 'وہ، اُدھر اوطاق میں جائیں'، وہ جھونپڑیوں کی طرف بڑھتے والوں کو مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے مخالف سمت روانہ کرتے رہے۔ ان کے کپڑوں سے بوسیدگی ظاہر تھی، لیکن صفائی اس سے کہیں زیادہ نمایاں تھی۔ پسماندہ بستیوں کی عام روش کے برعکس ایک بھی چھوٹی عمر کا بچہ بے لباس نہیں تھا۔ صفائی ستھرائی ان کے چہروں سے بھی جھلک رہی تھی۔ یہ سب دیکھ کر مجھ پر یہ حقیقت مزید واضح ہوگئی کہ صفائی اور شائستگی تعلیم سے زیادہ تربیت اور روایات کی دین ہیں۔ تہذیب اور تعلیم کے گہواروں سے بہت دور زندگی بسر کرتے یہ لوگ اپنے رویوں میں نہایت شائستہ اور مہذب دکھائی دیے۔ کھارو چھان میں حکومت کا تو کوئی نام و نشان نہیں ملتا مگر یہاں ماحولیات کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے کچھ ادارے موجود ہیں۔ ایک نجی ادارے نے یہاں ایک مخصوص گھاس لگائی ہے جو جانوروں کے چارے کے کام آتی ہے۔ یہ گھاس کھارے پانی میں اگنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ گھاس کھانے والے مویشیوں کے دودھ کی مقدار میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس گھاس کی وجہ سے مقامی آبادی کا سمندر کی راہ میں رکاوٹ بنے مینگروز پر انحصار بہت کم ہوگیا ہے۔

اس کے علاوہ مقامی باشندوں کے معاشی حالات بہتر بنانے کے لیے یہاں تالاب بنا کر ان میں کیکڑوں کی افزائش کا انتظام بھی کیا گیا ہے اور گھریلو سطح پر مرغیاں پالنے کا منصوبہ شروع کر رکھا ہے۔ ماہی گیروں کی کشتیوں میں مچھلیوں کو زیادہ دیر تک خراب ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے انہیں آئس باکس بھی فراہم کیے گئے ہیں اور فائبر کی کشتیاں دی گئی ہیں۔ ساتھ ان دیہات میں گھریلو سطح پر شمسی توانائی کا نظام بھی نصب کیا گیا ہے اور میٹھے پانی تک رسائی کے لیے واٹر کورس تعمیر کیا گیا ہے۔

ایک نجی ادارے نے مقامی باشندوں کے معاشی حالات بہتر بنانے کے لیے یہاں تالاب بنا کر ان میں کیکڑوں کی افزائش کا انتظام کیا ہے اور گھریلو سطح پر مرغیاں پالنے کا منصوبہ شروع کر رکھا ہے ماہی گیروں کی کشتیوں میں مچھلیوں کو زیادہ دیر تک خراب ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے انہیں آئس باکس فراہم کیے گئے ہیں اور فائبر کی کشتیاں دی گئی ہیں کھارو چھان سے واپسی پر میں سوچ رہا تھا کاش پاکستان سے کٹے ہوئے اور دنیا سے دور بسے ان پاکستانیوں سے میں کچھ سوال پوچھتا تو جانے کیا جواب ملتے جیسے اسکول کیا ہوتا ہے، ہسپتال کیا ہوتا ہے، کمپیوٹر کیا ہے، انٹرنیٹ کس بلا کا نام ہے، اور سب سے اہم سوال یہ کہ حکومت کسے کہتے ہیں؟

Scan QR to Open
Account Digitally

AL Habib Woman is a platform that empowers women through prompt, convenient, and affordable financial access to fulfill their banking needs.

## AL Habib Woman offers the following:

- Bank Accounts in Current & Savings Type**
- Competitive Rates on Consumer Loans for Car & Housing Finance
- Financing for Small & Medium Enterprises (SMEs)
- Exciting Deals & Discounts on Debit Cards
- FREE Issuance of PayPak Debit Card*
- FREE Life Insurance*
  (age: 18 to 60 years only)

*Terms & Conditions Apply
**Also available in Islamic Banking

Bank AL Habib

رشتہ بھروسے کا

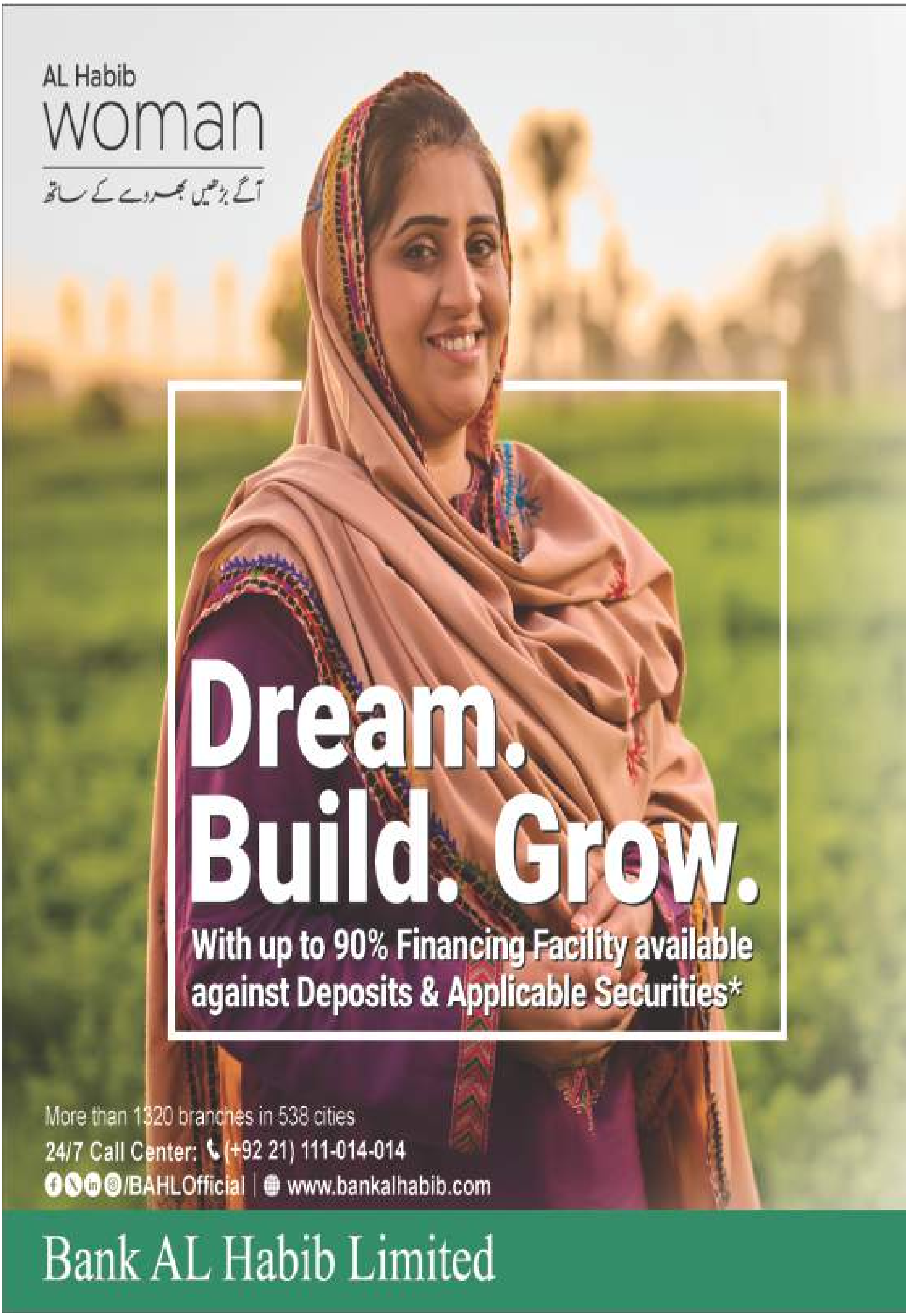
AL Habib
woman
آگے بڑھیں بھروسے کے ساتھ
Dream.
Build. Grow.
With up to 90% Financing Facility available
against Deposits & Applicable Securities*
More than 1320 branches in 538 cities
24/7 Call Center: (+92 21) 111-014-014
/BAHLOfficial | www.bankalhabib.com
Bank AL Habib Limited

# قائد کی پکار اور حبیب خاندان کا ایثار! ایک خالی چیک سے بینکاری کی سلطنت تک کا سفر.....

## وہ چراغ وفا جو 1947 میں جلا، آج ڈیجیٹل پاکستان کے جدید مالیاتی نظام کی صورت میں جگمگا رہا ہے

تحریر: نیاز مہدی

پاکستان کے مالیاتی سفر کا آغاز غیر معمولی بھروسے اور اعتماد کی ایک عظیم مثال سے ہوا۔ 1947ء میں آزادی کے ان پر آشوب دنوں میں، جب نئی مملکت شدید مالی بحران کا شکار تھی اور اس کا اپنا کوئی خزانہ موجود نہ تھا، حبیب خاندان ملک کی بقا کے لیے ڈھال بن کر سامنے آیا۔ خاندان کے بزرگ حبیب اسماعیل کے وژن کی پیروی کرتے ہوئے اس خاندان نے قائداعظم محمد علی جناح کی پکار پر لبیک کہا۔ یہ واقعہ اب قومی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے کہ جب ریاست کا خزانہ خالی تھا، اس وقت حبیب خاندان نے نوزائیدہ حکومت کو فوری مالی امداد فراہم کر کے پاکستان کے روشن مستقبل پر اپنے پختہ اعتماد کا عملی ثبوت دیا۔ قیام پاکستان کے وقت قیادت کو نہ صرف سیاسی بلکہ معاشی استحکام کے چیلنج کا بھی سامنا تھا۔ کسی بھی ملک کی بنیاد بننے والے ادارے مثلاً خزانہ، بینکاری کا نظام اور کرنسی ابھی تشکیل کے مراحل میں تھے جبکہ ریاست اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے تگ و دو کر رہی تھی۔ اگست 1947ء میں پاکستان امیدوں کے ساتھ ایک آزاد ملک کے طور پر ابھرا لیکن اس وقت مالیاتی ڈھانچہ نہایت محدود تھا اور وسائل کی شدید کمی تھی۔ اس نازک گھڑی میں حبیب خاندان کی فوری مالی معاونت نے اس بات کو یقینی بنایا کہ نئی حکومت کے بنیادی انتظامی امور جاری رہ سکیں۔ آزادی کے فوراً بعد پاکستان نے اپنی خود مختار کرنسی 'پاکستانی روپیہ' متعارف کرائی۔ ابتدائی مہینوں میں بھارتی کرنسی نوٹوں پر "پاکستان" کی مہر لگا کر لین دین کیا جاتا رہا، لیکن 1948ء میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے ملک کے اپنے بینک نوٹ جاری کیے۔ مرکزی بینک کا باقاعدہ افتتاح یکم جولائی 1948ء کو قائداعظم نے خود کیا، جس سے پاکستان کے آزاد مالیاتی نظام کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ان معمولی شروعات سے لے کر آج تک پاکستان کا بینکنگ سیکٹر ایک وسیع مالیاتی نیٹ ورک میں تبدیل ہو چکا ہے۔ آج ملک میں تقریباً 55 شیڈولڈ بینک اور مالیاتی ادارے کام کر رہے ہیں، جن کی تقریباً 18500 شاخیں شہری و دیہی علاقوں سمیت بین الاقوامی سطح پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ ادارے کروڑوں صارفین کو خدمات فراہم کر رہے ہیں اور کھربوں روپے کے ڈپازٹس کے ساتھ ملک کی صنعت، تجارت اور ترقی میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس شعبے کی مضبوطی کا اندازہ ملک کے صفِ اول کے بینکوں کی کارکردگی سے لگایا جا سکتا ہے۔ گزشتہ تین سالوں کی اوسط کے مطابق، بڑے اداروں کا منافع تقریباً 77 ارب روپے سے لے کر 21 ارب روپے سالانہ تک ہے، جو پاکستان کی جدید مالیاتی صنعت کی ریڑھ کی ہڈی بن چکے ہیں۔ ان میں میزان بینک (اسلامک بینکنگ کا پیش رو)، یونائیٹڈ بینک (ڈیجیٹل ٹرانسفارمیشن میں ممتاز)، ایم سی بی بینک (بہترین آپریشنل کارکردگی)، حبیب بینک (ملک کا سب سے بڑا نیٹ ورک)، اسٹینڈرڈ چارٹرڈ (عالمی سطح پر مضبوط)، الائیڈ بینک (کارپوریٹ سروسز)، نیشنل بینک (سرکاری مالیات کا محور)، بینک الفلاح (ایس ایم ای بینکنگ)، بینک الحبیب (ٹریڈ فنانس) اور حبیب میٹرو بینک (درآمد و برآمد) نمایاں ہیں۔ حالیہ برسوں میں یہ شعبہ ڈیجیٹلائزیشن کے ایک نئے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ معیشت کو ڈیجیٹل بنانا اب مرکزی ہدف ہے، جس کے تحت بینک عوام کو موبائل ایپ اور الیکٹرانک ادائیگیوں کے پلیٹ فارمز کی طرف راغب کر رہے ہیں۔ خاص طور پر نوجوان نسل کے لیے بینک اکاؤنٹ اور موبائل ایپس محض لین دین کا ذریعہ نہیں رہیں بلکہ ایک جدید طرزِ زندگی کا دروازہ بن گئی ہیں۔ آج موبائل بینکنگ ایپس کے ذریعے صارفین فوری فنڈز ٹرانسفر، بلوں کی ادائیگی اور آن لائن شاپنگ کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ڈیبٹ اور کریڈٹ کارڈز ملک بھر میں ڈسکاؤنٹ پلیٹ فارمز بن چکے ہیں، جہاں کھانے پینے، سفر اور صحت کی سہولیات پر 15 سے 50 فیصد تک رعایت مل رہی ہے۔ اس مسابقت نے ایک ایسا نظام پیدا کر دیا ہے جہاں مالیاتی خدمات روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ پاکستان کی بینکاری کا یہ سفر محض اداروں کی ترقی کا نام نہیں، بلکہ یہ کروڑوں شہریوں کو جدید معاشی مواقع سے جوڑنے کی کہانی ہے۔ 1947ء میں حبیب خاندان نے جس اعتماد کا اظہار کیا تھا، وہ اس یقین کی علامت تھا کہ پاکستان تمام تر چیلنجز کے باوجود ترقی کرے گا۔ آج کروڑوں افراد کے ہاتھوں میں موجود موبائل بینکنگ ایپس اسی سفر کا تازہ ترین باب ہیں۔ جو ہمت، کاروباری بصیرت اور اعتماد کی لازوال طاقت کا ثبوت ہیں۔

نوٹ: قارئین درست مالیاتی اعداد و شمار اور شرائط کے لیے متعلقہ بینکوں یا سرکاری رپورٹس سے رجوع کریں۔ مصنف سابق سول سرونٹ ہیں اور ان سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

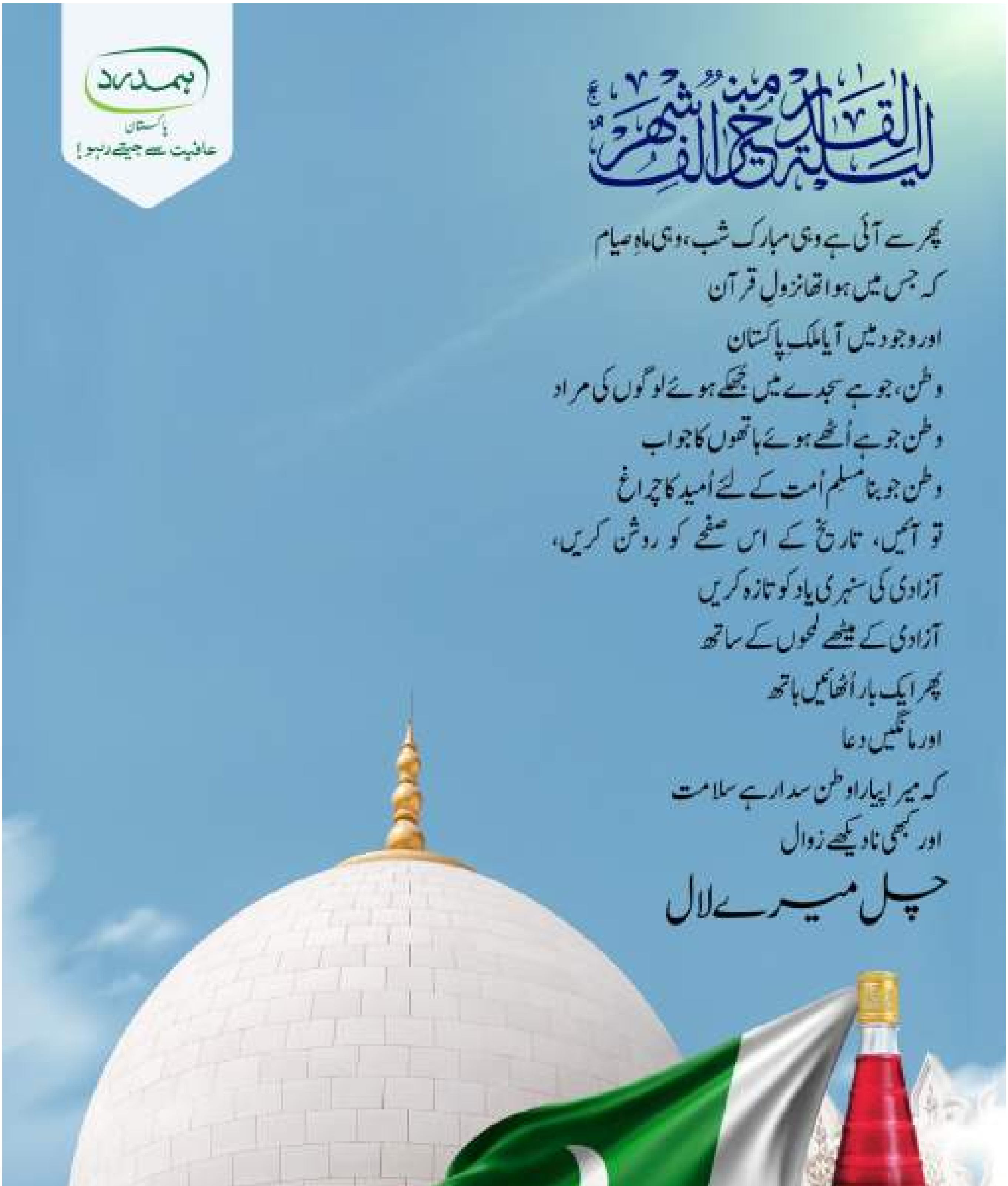
ہمدرد
پاکستان
عافیت سے جیتے رہو!
لیلۃ القدر خیر من الف شہر
پھر سے آئی ہے وہی مبارک شب، وہی ماہِ صیام
کہ جس میں ہوا تھا نزولِ قرآن
اور وجود میں آیا ملکِ پاکستان
وطن، جو ہے سجدے میں جھکے ہوئے لوگوں کی مراد
وطن جو ہے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کا جواب
وطن جو بنا مسلم اُمت کے لئے اُمید کا چراغ
تو آئیں، تاریخ کے اس صفحے کو روشن کریں،
آزادی کی سنہری یاد کو تازہ کریں
آزادی کے میٹھے لمحوں کے ساتھ
پھر ایک بار اُٹھائیں ہاتھ
اور مانگیں دعا
کہ میرا پیارا وطن سدا رہے سلامت
اور کبھی نہ دیکھے زوال
چل میرے لال
Rooh Afza

#GiveToGain

"عالمی یوم نسواں — خصوصی"

# ڈاکٹر سمیرہ عزیز کی کامیابی کی داستان

## اقربا کی حوصلہ شکنی اور چیلنجوں کو شکست دے کر علمی و عالمی مقام تک پہنچنے والی سعودی میڈیا کی علمبردار خاتون

ڈاکٹر سمیرہ عزیز کی کہانی محض پیشہ ورانہ کامیابی کی داستان نہیں بلکہ ایسی استقامت کی مثال ہے جو سخت حالات میں پروان چڑھی۔ سعودی عرب کے شہر الخبر کی پیدائش اور جدہ میں مقیم اس سعودی میڈیا شخصیت، صحافی، فلم ساز، مصنفہ، شاعرہ اور تاجر خاتون نے ایک ایسا شاندار کیریئر تشکیل دیا ہے جو بہت سوں کے لیے ایک متاثر کن نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

تاہم ان اعزازات اور کامیابیوں کے پس پردہ ایک ایسا بچپن بھی تھا جہاں مہربانی کم اور حوصلہ افزائی اس سے بھی کم تھی۔ انہوں نے ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں کچھ قریبی رشتہ دار ایک باپ سے محروم بچی کے ساتھ ہمدردی سے پیش نہ آتے تھے، وہ اکثر خود کو نظر انداز اور غیر اہم محسوس کرتی رہیں۔ قرابت داروں کی سرد مہری اور رقابت نے ان کے حوصلے کو توڑنے کے بجائے انہیں مزید مضبوط بنایا اور یہی رویے ان کے لیے ایندھن بن گئے جنہوں نے انہیں تعلیم، مقصد اور وقار سے بھرپور مستقبل کی جانب بڑھنے کی طاقت دی۔

بچپن ہی میں انہیں اپنی والدہ کو ایک بیٹے کی طرح سہارا دینے کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ حوصلہ شکنیوں سے بھرے ماحول میں انہوں نے اپنی قوت ارادی ہی سے حوصلہ اور طاقت حاصل کی۔ صرف نو برس کی عمر میں ان کے دل میں لفظوں کی دنیا اور کہانی سنانے کے فن کے لیے ایک گہری کشش پیدا ہو چکی تھی۔ اگرچہ ماحول مثبت نہ تھا اور انہیں اکثر نظر انداز کیا جاتا تھا، مگر انہوں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ ایک دن وہ صحافت کے شعبے میں قدم رکھیں گی۔ وہ دو بیٹوں کے درمیان اکلوتی بیٹی تھیں، اور اکثر اس تکلیف دہ جملے سے اپنے دل کو بچانے کے لیے اپنے کانوں پر انگلیاں رکھ لیتی تھیں، جب لوگ ان کی والدہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: "شکر ہے اس بیوہ پر صرف ایک ہی بیٹی کا بوجھ ہے۔"

نوجوانی کا دور شروع ہوا تو ایک قریبی رشتہ دار نے اپنے ذاتی مفاد اور گھٹیا سوچ کے تحت ان کی شادی اپنے ایسے ذہنی بیمار بھائی سے طے کروانے کی کوشش کی، جسے زنجیروں سے باندھ کر رکھا جاتا تھا، کیونکہ وہ رشتہ دار یہ سمجھتی تھی کہ سمیرہ کی بیوہ والدہ کو زکوٰۃ کی مد میں دی جانے والی مالی مدد کے بدلے وہ اپنے ذہنی بیمار بھائی کے لیے سمیرہ کو خرید سکتی ہے۔ اس دباؤ سے گھبرا کر سمیرہ کی والدہ نے امریکہ سے آنے والے ایک رشتے کی پیشکش پر وہاں ان کی منگنی کر دی، لیکن کم عمر سمیرہ کو اس وقت شدید دل آزاری کا سامنا کرنا پڑا جب منگیتر نے ان کی تعلیم اور میڈیا میں کیریئر بنانے کے ارادے پر سوال اٹھاتے ہوئے کہا کہ ایک بیوہ کی بیٹی کو اپنی اوقات میں رہنا چاہیے اور بڑے خواب نہیں دیکھنے

چاہیں۔

اس صورتحال میں نوعمر سمیرہ نے اپنی والدہ سے التجا کی کہ ان کی شادی نہ کریں۔ انہوں نے اپنی والدہ کو یقین دلایا کہ وہ بوجھ نہیں ہیں بلکہ ایک کارآمد اور پُرعزم بیٹی ہیں جو تعلیم حاصل کرنا اور ایک بامعنی مستقبل تعمیر کرنا چاہتی ہیں۔ تاہم ان کی بیوہ والدہ مطمئن نہ ہو سکیں، کیونکہ وہ اس رشتہ دار کے ارادوں کے بارے میں بدستور فکرمند رہیں جو سمیرہ کی شادی اپنے ذہنی معذور بھائی سے کروانا چاہتی تھی۔ بالآخر سولہ برس کی عمر میں سمیرہ کی شادی اُن کے سعودی کزن سے طے کر دی گئی۔ اُن کی والدہ—یعنی سمیرہ کی سعودی پھوپھی—انہیں پیدائش ہی سے پسند کرتی تھیں اور انہوں نے بسترِ مرگ پر بھی اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ سمیرہ کو اپنی بہو کے طور پر اپنانا چاہتی ہیں۔ سمیرہ نے یہ شادی صرف اس واضح شرط پر قبول کی کہ انہیں اپنی تعلیم جاری رکھنے اور اپنے خواب پورے کرنے کی اجازت ہوگی۔ یہی عہد ان کے تعلیمی اور پیشہ ورانہ سفر کی بنیاد بنا، جسے انہوں نے تمام مشکلات کے باوجود نبھایا۔ انہوں نے غیر معمولی نظم و ضبط کے ساتھ گھریلو ذمہ داریوں، بچوں، تعلیم اور کام کو ساتھ لے کر چلتے ہوئے اپنے کیریئر کی تعمیر جاری رکھی۔ انہوں نے ایک دن کے لیے بھی عیش و عشرت کی زندگی اختیار نہیں کی اور محنتی، ضبطِ نفس کی پابند اور خوددار رہیں۔

شادی کے بعد جب وہ اپنے پیدائشی وطن سعودی عرب واپس آئیں تو انہوں نے محسوس کیا کہ سعودی عرب کو عالمی سطح پر اکثر غلط فہمی اور افواہوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس احساس نے ان کے اندر ایک نیا مشن پیدا کیا: ان کی صحافت صرف ایک پیشہ نہیں بلکہ تہذیبوں کے مابین رابطہ اور اپنے وطن سعودی عرب کی سچی اور باوقار نمائندگی کا ذریعہ ہوگی۔ یوں ایک "بیوہ کا بوجھ" ہونے کے ناطے "کارآمد" ثابت ہونے کی خواہش ان کے لیے ایک طاقتور محرک بن گئی۔

ان کے آنے والے برس آسان نہیں تھے۔ ایک ایسے دور میں جب سعودی عرب میں خواتین کے لیے میڈیا کا شعبہ کسی حد تک معیوب سمجھا جاتا تھا، انہیں بار بار بتایا گیا کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ عربی زبان میں ابتدائی کمزوری نے بھی چیلنجز بڑھائے، مگر انہوں نے اپنی اردو اور انگریزی پر عبور کو عالمی سطح پر سعودی بیانیہ پیش کرنے کے لیے اپنی قوت بنا لیا۔ ازدواجی زندگی، مادری ذمہ داریوں، تعلیم اور ملازمت کو ایک ساتھ نبھاتے ہوئے انہوں نے نیندوں کی قربانی اور شدید دباؤ کے دن دیکھے۔ ان دنوں بعض رشتہ داروں کی جانب سے عدم تعاون بھی زوروں پر رہا—حالانکہ شادی کے بعد تعلیم جاری رکھنے کا وعدہ کیا گیا تھا—مگر یہ سب ان کے عزم کو مزید مضبوط کرتا گیا۔ انہوں نے تلخی کو اپنی شخصیت پر اثرانداز ہونے دینے کے بجائے استقامت اور مقصد کو اپنایا اور یہ سیکھا کہ دوسروں کے لیے زندگی آسان بنانا کتنا اہم ہے۔

ان کی محنت کا ثمر انہیں ماس میڈیا میں پی ایچ ڈی کی صورت میں ملا، جو ان کی برسوں کی قربانی اور جدوجہد کا اعتراف تھا۔ آج ڈاکٹر سمیرہ عزیز کو ایک نمایاں سعودی میڈیا شخصیت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ وہ جدہ میں سمیرہ عزیز گروپ آف کمپنیز کی چیئرپرسن ہیں اور ایڈ ایجنسی، فلم سازی، تقریبات، تعمیرات، شاپنگ سینٹرز، ہاسپیٹلیٹی اور بین الاقوامی تجارت سمیت متعدد شعبوں میں بزنس کرتی ہیں۔ تقریباً تین دہائیوں پر محیط کیریئر میں وہ تحقیقی صحافی، سینئر بین الاقوامی ایڈیٹر اور ریڈیو اینکر رہ چکی ہیں اور اب ڈیجیٹل صحافت میں بھی سرگرم ہیں۔ مرحوم شہزادہ احمد بن سلمان بن عبدالعزیز آل سعود کی سرپرستی میں اعلیٰ پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ مملکت میں میڈیا کے شعبے سے وابستہ ابتدائی خواتین میں شامل ہوئیں اور ایک مردانہ غلبے والے میدان میں جرأت و استقلال کے ساتھ نمایاں رکاوٹیں عبور کرتے ہوئے اپنی مضبوط شناخت قائم کی۔

صحافت کے ساتھ ساتھ انہوں نے مصنفہ، شاعرہ اور مقررہ کے طور پر بھی بین الاقوامی شناخت حاصل کی۔ وہ بالی ووڈ میں اہلیت حاصل کرنے والی پہلی سعودی خاتون فلم میکر اور اردو کی پہلی سعودی ناول نگار اور شاعرہ ہونے کا اعزاز رکھتی ہیں۔ میڈیا اور ثقافتی تبادلے میں ان کی خدمات نے انہیں عالمی کانفرنسوں اور بین الاقوامی پلیٹ فارمز تک پہنچایا، جہاں وہ سعودی عرب کی مثبت تصویر پیش کرتی اور ثقافتی ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہیں۔ ان کی نمایاں کامیابیوں میں گنیز ورلڈ ریکارڈ قائم کرنے والا انسانی موزیک بھی شامل ہے، جو ان کی قیادت اور تخلیقی بصیرت کا ثبوت ہے۔ انہیں مشرق وسطیٰ کے گریٹ وومن ایوارڈ سمیت متعدد اعزازات اور بین الاقوامی ٹائٹل مل چکے ہیں جو میڈیا، ادب اور سماجی ترقی میں ان کی خدمات کا اعتراف ہیں۔

آج عالمی سطح پر جب ان کی زندگی کی کہانی پر مبنی ایک فلم بھی بنائی جا رہی ہے، ڈاکٹر سمیرہ عزیز کا سفر اس بات کی روشن مثال ہے کہ مشکلات کو قوت میں بدلا جا سکتا ہے۔ ماضی میں قرابت داروں کی بے مہری نے ان کے مستقبل کا تعین نہیں کیا بلکہ انہیں کامیابی اور دوسروں کی مدد کے عزم سے بھر دیا۔ حوصلہ شکنی کے سائے میں گزرا بچپن اور کامیابیوں سے روشن حال—ان کی زندگی استقامت، تعلیم اور مقصد پر یقین کی علامت ہے۔ و[ہ] کہتی ہیں: "کبھی وہ شخص نہ بنیں جسے کوئی اپنی زندگی پر نظر ڈالے، تو اپنی کہانی کا ولن سمجھے۔ دوسروں کے لیے آسانی پیدا کریں۔ بے غرض، پُرعزم اور سچے بنیں۔"

# روپے کی تیزی سے گھٹتی قدر کی کیا وجوہات ہیں؟

حالات شاید ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں۔ تیز رفتار ترقی (اگر ہم اسے یہ کہہ سکتے ہیں) اپنی ہی پیدا کی ہوئی مشکلات کا شکار ہے جن میں سب سے اہم چیز بیرونی قرضے ہیں۔ تازہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ بڑے پیمانے پر ہونے والی پیداوار کی رفتار برقرار رکھنے میں بھی مشکل پیش آرہی ہے۔ کچھ صنعتوں کو گزشتہ سال جولائی کی سطح پر برقرار رکھنے میں بھی مشکل ہو رہی ہے حالانکہ اس وقت تو کورونا لاک ڈاؤن کے اثرات بھی باقی تھے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اسٹیٹ بینک نے روپے کی قدر کو سہارا فراہم کرنے کے لیے جون کے وسط سے ستمبر کے پہلے ہفتے تک ایک 1 ارب 20 کروڑ ڈالر انٹر بینک مارکیٹ میں داخل کیے۔ یہ معلومات ہمیں ایک نڈر رپورٹر شہباز رانا کی خبر سے ملیں۔ اس خبر سے مارکیٹ میں کئی سوالات نے جنم لیا۔ کسی نے سوال کیا کہ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ رقم اتنی بڑی ہے کہ اسے اتنے وقت تک چھپایا نہیں جاسکتا تھا۔ اور اگر ایسا ہوا بھی ہے تو ان اعداد و شمار کو کس نے لیک کیا اور اس کا مقصد کیا تھا؟ اس خبر کے بعد اس حوالے سے خوب باتیں ہونے لگیں کہ روپے کی قدر کہاں تک جائے گی اور شرح سود کس سمت میں جائے گی۔ کچھ دنوں سے ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر 170 کے آس پاس ہی ہے اور یہ اس سطح کو چھو کر اس سے کچھ نیچے بند ہوا۔ مئی کے بعد سے روپے کی قدر میں 10 فیصد کمی آچکی ہے اور اس کی بنیادی وجہ بڑھتا ہوا کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ ہے۔ مزید پڑھیے: معاشی اعتبار سے وزیراعظم عمران خان کے 3 سال حقیقت تو یہ ہے کہ اسٹیٹ بینک کم از کم جنوری 2021ء سے ہی انٹر بینک میں ڈالر فروخت کررہا ہے۔ تاہم عوامی سطح پر دستیاب معلومات سے یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ یہ رقم کتنی بنتی ہے۔ زرمبادلہ کی منڈیوں میں اسٹیٹ بینک کی فارورڈ پوزیشن کے اعداد و شمار سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان مہینوں میں بڑے پیمانے پر فروخت ضرور ہوئی ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ ان اعداد و شمار کے حوالے سے احتیاط برتی جائے کیونکہ اس کو سمجھنا بنیادی ریاضی کو سمجھنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ جو ممالک آئی ایم ایف پروگرام کا حصہ ہوتے ہیں ان پر آئی ایم ایف کی جانب سے اس قسم کی فروخت پر پابندی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن مہینوں میں ملک آئی ایم ایف پروگرام کا حصہ تھا ان مہینوں میں یہ فروخت نہیں ہوئیں۔ لیکن اب کہیں کسی نے بلی کو تھیلے سے باہر نکال دیا ہے اور اس بات کو پبلک کردیا ہے کہ اسٹیٹ بینک نے روپے کو سہارا دینے کے لیے انٹربینک مارکیٹ میں ایک ارب 20 کروڑ ڈالر فروخت کیے اور اس قدم کے بہت محدود نتائج ہی برآمد ہوئے۔ ممکنہ طور پر آنے والے دنوں میں زرمبادلہ کی منڈیوں میں سرگرمیاں تیز ہوجائیں گی اور روپے کی قدر کو 170 سے نیچے برقرار رکھنا بہت مشکل ہوجائے گا۔ یہاں ایک مشکل کرنٹ اکاؤنٹ خسارے کی بھی ہے جو دسمبر 2020ء میں سامنے آیا اور اس کے بعد سے اس میں مستقل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ لیکن جولائی سے دسمبر کے دوران دو چوتھائی سرپلس کے باوجود اس کے بعد سے خسارے میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود بھی یہ سال کے اختتام پر ایک ارب 82 کروڑ کی قابلِ انتظام حد تک ہی رہا۔ تاہم اس وقت مستقبل کچھ اچھا نظر نہیں آرہا۔ اسٹیٹ بینک اور وزیرِ خزانہ کے مطابق انہیں امید ہے کہ یہ ان کے کنٹرول میں رہے گا اور جی ڈی پی کے 2 سے 3 فیصد کے اندر ہی ہوگا۔ تاہم میں نے جن بینکاروں سے بات کی ہے ان کے اپنے تخمینے ہیں اور ان کے مطابق یہ شرح حکومتی اندازوں سے دگنی ہوگی۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو حکومتوں کی جانب سے اپنے خساروں کا درست تخمینہ بتانے کے حوالے سے ریکارڈ کچھ اچھا نہیں ہے خاص طور پر اس عرصے میں تو بالکل بھی نہیں جس عرصے میں وہ ترقی کی رفتار کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ اس پوری صورتحال میں ایک اور چیز کا اضافہ

# A PLACE LIKE GOLD IN THE PRICE OF CLAY

## You too can own your own home

# Ramzan Village Hawks Bay Road Karachi

**Survey No. 219,214,182, Deh Lal BHakar Tapo Gabo Pat Kiamari Town Karachi**

**Along the beach** | **Calm atmosphere**

Hawks Bay Road, Near Nasir Brohi Hotel and Comprehensive Mosque Ishaq's connected

**240 گز** | **120 گز**

## Contact for residential and commercial plots

**Good news for poor and homeless people in densely populated areas**

پہلے وزٹ — بعد میں بکنگ — فوری تعمیر — فوری قبضہ

آج ہی بکنگ آج ہی تعمیر

دیر نہ کریں، پلاٹوں کی تعداد محدود ہے

رابطہ نمبرز

مولانا محمد ابراہیم خلیل

0304-9593035
0318-2017293
0334-2030772
0323-2086640

| | | |
|---|---|---|
| سید البشر 0300-8939711 | شیخ فرید 0315-8704889 | قاری عبداللہ راہی 0323-2620116 |
| محمود الحسن 0300-2791194 | مہتاب بھائی 0312-2380445 | محمد شفیع 0310-2733120 |

# سندھ کے ڈوبتے ڈیلٹا میں اونچی لہروں سے بچانے والے خاص مکانات

کراچی: دریائے سندھ اور سمندر کے سنگم پر رہنے والے غریب مچھیرے اور عوام بھی خوشحال تھے لیکن اب موسیقی تبدیلیوں، سمندر کی طرف سے خشکی بڑھنے اور مچھلیوں کی کمی سے ان کا مشکل سے مشکل ہوتا جارہا ہے۔

ڈیلٹا اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں دریا اور سمندر باہم ملتے ہیں اور دنیا کے ساتویں بڑے سندھ ڈیلٹا کا یہ حال ہے کہ یہاں سمندری طوفان اور پانی کے بے ہنگم بہاؤ سے جزیروں اور دریا کنارے رہنے والے انتہائی غریب افراد کے گھر بہہ جاتے ہیں اور اس سے بچنے کے لیے جب وہ اپنا جھونپڑی نما گھر پیچھے کرتے ہیں تو پانی رینگتا ہوا دوبارہ ان تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اب ڈبلیو ڈبلیو ایف پاکستان کے تعاون سے ان افراد کی زندگی میں کچھ تبدیلی آئی ہے اور انہوں نے پانی سے بچانے کے لیے اپنے سادہ گھروں کو لکڑی کے چبوتروں پر منتقل کرلیا ہے اور اب تک کئی مکانات کو لکڑی کے ستونوں پر 3 سے 4 فٹ بلند کیا گیا ہے تاکہ پانی ان کے نیچے سے بہہ جائے اور مچھیروں کی جان و مال محفوظ رہ سکے۔

کراچی سے 170 کلومیٹر کے فاصلے پر موجود انڈس ڈیلٹا کبھی خوشحال، شاداب اور مالدار ہوا کرتا تھا۔ یہاں اگنے والا سرخ چاول غذائیت سے بھرپور ہوا کرتا تھا لیکن یہ بات اب قصہ پارینہ ہوئی اور ڈیلٹا کی زرخیزی کو سمندر کے کڑوے پانی نے نگل لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دریا کا بہاؤ کمزور ہونے سے سمندر دریا کے راستے 50 کلومیٹر تک اوپر چڑھ آیا ہے اور ڈیلٹا کے 17 بڑے کریکس (دراڑیں) سمندری پانی سے بھر چکے ہیں جس سے زمینی کٹاؤ میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

صدیقی ڈابلو نامی جزیرے کے رہائشی کئی برس سے سمندری طوفان اور طغیانی کا سامنا کررہے ہیں اور ان کی زمین بہت تیزی سے سمندر کی نذر ہورہی ہے۔ اب انہوں نے اپنے مکانات لکڑی کے پلیٹ فارم پر بلند کرلیے ہیں تاکہ غیر متوقع اونچی لہروں سے اپنے گھروں کو محفوظ رکھ سکیں۔

ڈبلیو ڈبلیو ایف پاکستان نے اس گاؤں میں ایسے کئی مکانات تعمیر کرکے اس گاؤں کو اونچے مکانات کا ماڈل ویلیج بنایا ہے اور اب تک ایسے 10 گھر بنائے جاچکے ہیں جن میں سے کچھ اب بھی زیر تعمیر ہیں۔ ان گھروں میں سب سے واضح محمد اکرم کا مکان ہے جو لکڑی کی جھونپڑیوں اور مینگروز کی جھاڑیوں میں نمایاں ہے۔ ایک اونچا گھر بنانے پر 1 لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں جن میں سے ڈبلیو ڈبلیو ایف پاکستان نے 70 ہزار روپے فراہم کیے ہیں جس سے لکڑی کا مضبوط چبوترا اور ستون بنائے جاتے ہیں جب کہ مکان کی سیڑھیاں، چھت اور دیوار پر چٹائی کی دیوار مچھیرے بناتے ہیں جس پر کم از کم 30 ہزار روپے کی رقم خرچ ہوتی ہے۔ مکان کو جو چار چین لکڑی کے 12 ستونوں پر کھڑا کیا جاتا ہے جو کھارے پانی کی وجہ سے یہ قریباً 15 سال ہی گزار سکتا ہے۔ اس گاؤں میں دیگر بہت سے افراد بھی ایسے ہی اونچے مکانات بنانا چاہتے ہیں لیکن 30 ہزار کی رقم بھی ان کے لیے کسی پہاڑ سے کم نہیں کیونکہ ماحولیاتی تباہی اور تیزی سے ختم ہوتے ہوئے وسائل کے باعث یہ پاکستان کے غریب ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے جہاں لوگ روزانہ مشکل سے 100 روپیہ بھی نہیں کماپاتے۔

اکرم اپنی دلہن کے ساتھ اس نئے گھر میں بہت خوش ہے۔

CARLTON
CARLTON
LUGGAGE UK
(www.thenewslark.com)
WWW.CARLTONTRAVELGOODS.COM

# پاکستان کی زوال پذیر معیشت اور مافیا راج

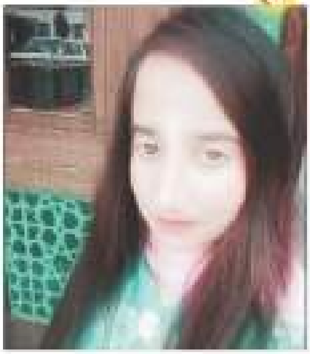

حجاب فاطمہ انصاری

اس وقت پاکستانی قوم کو جو مسئلہ سب سے زیادہ متاثر کر رہا ہے۔ وہ ہے "پاکستان کی معیشت" اور دوسرے چیلنجز کے ساتھ ساتھ مسلسل کرونا کا چیلنج بھی درپیش ہے جب سے نئی حکومت آئی ہے پاکستان کے تمام معیشت کے اشارے گرتے جا رہے ہیں جی ڈی پی کے حوالے سے دیکھیں تو تین سو تیرہ بلین ڈالر کی اکانومی ہے اگر اس کی گروتھ کی بات کی جائے تو سال 2018 میں 5.5 فیصد تھی جو سال 2019 میں کم ہو کر 3.2 فیصد رہ گئی۔ ایشین ڈویلپمنٹ بینک کے مطابق موجودہ سال 2022 میں مزید کم ہو کر 2.8 فیصد گر جائے گی پاکستان کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق 2.4 فیصد رہ جائے گی۔ الجزیرہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اس حکومت نے ایک سال میں 16 بلین ڈالر کا قرضہ لیا جو پاکستان کی تاریخ میں 1947 سے لے کر (2022) تک کا پایا جانے

والا سب سے زیادہ مجموعی قرض ہے پاکستان میں مضبوط ترین مافیا کی حکومت میں موجودگی کی وجہ سے ملک میں بدترین چینی کا بحران پیدا ہوا۔ وزیر اعظم کی چینی بحران اور ذخیرہ اندوز مافیا کے خلاف بنائے گئے کمیشن کی انکوائری اور پھر اس کے بعد فرانزک انکوائری رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے باوجود چینی بحران کا حل نہ ہونا اور مسلسل چینی کی قیمت بڑھتے رہنا اور اسی دوران چینی کی طرح آٹے کا بھی مصنوعی بحران پیدا کر کے آٹے کی قیمت کو بھی ذخیرہ اندوز مافیانے دو گنا بڑھا دیا۔ ان دو بحرانوں سے بڑھ کر ایک عالمی بحران پٹرول کی صورت میں سامنے آیا پٹرول کی قیمت فی لیٹر پچیس روپے بڑھنے

سے ضروریات زندگی اور اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں بڑھنے سے مہنگائی کا طوفان برپا ہو گیا۔ حکومت کی ناکامی اور ذخیرہ اندوز مافیا کی بے حسی کی وجہ سے مہنگائی کا بازار سرگرم ہے۔ جس وجہ سے پاکستان کی معیشت پر گہرے منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں اور آنے والے دنوں میں مزید اثرات مرتب ہوں گے جس کی وجہ سے ملک کے حالات بھی خراب ہونے کا خدشہ ہے خطے میں بڑھتی ہوئی اسلحہ کی دوڑ اور برتری حاصل کرنے کے لیے ہر ملک اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ اپنے دفاعی بجٹ پر خرچ کرتا ہے اسی طرح پاکستان بھی اپنی آمدنی کا 70 فیصد حصہ اپنے دفاعی اخراجات پر خرچ کرتا ہے جس کی وجہ سے ملک ترقی سے محروم رہ جاتا ہے اور پھر بین الاقوامی اور عالمی مالیاتی

اداروں سے کافی زیادہ سود پر قرض حاصل کرتا ہے جو کہ پاکستان کی ترقی کو کئی سال پیچھے دھکیل دیتا ہے بھاری قرضوں کی ادائیگی کی وجہ سے ملک میں عدم استحکام پیدا ہوتا ہے اور ڈالر کی قدر روپے کی نسبت بڑھ جاتی ہے جس سے مقامی صنعتوں پر منفی اثرات پڑتے ہیں اس صورتحال کے بعد کرونا وائرس جیسی موذی وبا کی وجہ سے ملک کی 90 فیصد صنعتوں کے بند ہو جانے سے بے روزگاری میں گزشتہ دو سالوں میں چار شعبے 4.5 فیصد اضافہ ہوا ہے اس کی وجہ سے تقریباً ایک ملین لوگ بے روزگار ہوئے ہیں 2018-19 کے ادارہ شمار کے مطابق 6.06 فیصد بیروزگاری کی شرح میں اضافے کے بعد غربت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے ادارہ تحقیقات کے مطابق 40% اور گیلپ سروے آف پاکستان کے مطابق ملک میں گزشتہ دو سالوں میں 42 فیصد غربت میں اضافہ ہوا ہے گزشتہ دو سالوں کی بڑھتی ہوئی غربت کے بعد سال 2022 میں کرونا وائرس نے مزید اضافہ کر دیا جس سے غریب انسان غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں۔

# رنگوں میں چھپے ہیں راز

دنیا کی ہر عورت اپنے بناؤ سنگھار کا خاص خیال رکھتی ہے۔ لباس سے لے کر جیولری تک اور جوتوں سے میک اپ تک وہ اپنے لیے ہر چیز کے انتخاب میں بہت حساس ہوتی ہیں، لیکن اس بات سے قطع نظر اکثر خواتین اس بات سے انجان نظر آتی ہیں کہ جن اشیا کو وہ استعمال کر رہی ہیں۔ اس کا ان کی شخصیت پر مجموعی طور پر کیا اثر قائم ہوتا ہے۔ لباس کے لیے، رنگوں کے انتخاب میں جلدی رنگت کو اہمیت دیتی ہیں۔ گہری رنگت والی خواتین عام طور پر ہلکے، جب کہ گوری رنگت والی خواتین گہرے رنگ استعمال کرتی ہیں۔ ایک سمجھ دار خاتون وہ ہوتی ہے، جو رنگوں کو منتخب کرتے وقت موسم کو بھی مد نظر رکھتی ہے، لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر کیا یہ بات قابل غور نہیں کہ جو رنگ بھی آپ استعمال کریں، اس کا اثر شخصیت پر ضرور رہتا ہے۔ رنگوں کے ذریعے ہی اس بات کا معلوم چلتا ہے کہ کوئی بھی رنگ استعمال کرنے والی خاتون کس مزاج اور رویہ کی حامل ہے۔ آیئے، دیکھتے ہیں:

☆ سرخ

یہ رنگ ہمیشہ سے شوخی اور خوشی کا رنگ تصور کیا جاتا رہا ہے۔ تمام رنگوں میں یہ واحد رنگ ہے، جو سب نمایاں اور ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ لال رنگ کا مطلب خوشی سے بھی لیا جاتا ہے۔ اس لیے مشرق میں دلہن کے عروسی لباس کا روایتی رنگ سرخ ہے۔ البتہ اب کہیں کہیں اس رجحان میں کچھ تبدیلی بھی آرہی ہے اور دیگر رنگوں کے بھی عروسی ملبوسات پہنے جارہے ہیں۔ یہ اس کے علاوہ بھی ... ہے اور ... اسے وہی خواتین پہننا پسند کرتی ہیں، جو بہت زیادہ گوری رنگت کی حامل ہوں، کیوں کہ یہ رنگ ان پر بہت جچتا ہے، جن خواتین کو لال رنگ پسند ہوتا ہے، ان کی شخصیت شوخی اور زندہ دلی سے بھرپور ہوتی ہے۔ ایسی خواتین اپنے جذبات اور احساسات کا فوری طور پر اظہار کرتی ہیں اور اگلے کا ردعمل جاننے کے لیے بھی بے چین رہتی ہیں۔ کسی بھی معاملے میں اپنی رائے پیش کرنے میں دیر نہیں کرتیں اور مکمل خود اعتمادی سے اپنے تاثرات بھی بیان کردیتی ہیں۔

☆ اورنج

جن خواتین کا پسندیدہ رنگ اورنج ہوتا ہے، وہ عام طور پر بڑی اچھی طبیعت کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ملن سار بھی ہوتی ہیں۔ یہ بہ آسانی دوست بنالیتی ہیں اور اس کے لیے انھیں زیادہ تردد بھی نہیں کرنا پڑتا، بس سرسری سے تعارف اور ذہانت سے وہ یہ کام بخوبی کرلیتی ہیں۔ اورنج رنگ پہننے اور پسند کرنے والی اپنے شریک حیات کے ساتھ بہت پر خلوص ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا رویہ دوستانہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ جس پیشے کو بھی اپناتے ہیں، جلد ہی اپنی ہر دل عزیز شخصیت کی بدولت چھا جاتے ہیں۔

☆ پیلا

اس رنگ کو پسند کرنے والی خواتین توقعات اور امیدوں کے سہارے زندگی گزارنا پسند کرتی ہیں، کیوں کہ یہ مکمل ... طور ... آئیڈیل ... رنگ تصور کیا جاتا ہے۔ ذہانت میں یہ دوسروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہیں، لیکن اس کا استعمال کبھی کبھی ہی کرتی ہیں۔

☆ سبز

ہرا رنگ سکون کی علامت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہ رنگ آنکھوں کو تراوٹ بخشتا ہے اور اسے دیکھ کر سکون کا احساس ابھرتا ہے۔ ایسے افراد جو اس رنگ کے دل دادہ ہیں، وہ انتہائی سمجھ دار اور قابل احترام تصور کیے جاتے ہیں۔ اپنے مقصد میں واضح اور نکھرے ہوتے ہیں۔ خود اعتمادی سے بھرپور اور آزادی اظہار پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ انتہائی سماجی اور منہ پھٹ بھی واقع ہوتے ہیں۔ دوستوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے یہ فنکشن وغیرہ میں شرکت کرنا بھی پسند کرتے ہیں۔ ایسے افراد کھانے پینے کے شوقین ہونے کی بنا پر اپنی غذا کا بے حد خیال رکھتے ہیں۔

☆ جامنی یا وائلیٹ

ایسے رنگ کو پسند کرنے والی خواتین بہت حساس اور رحم دل ہوتی ہیں۔ دوسروں کی مدد کرنے میں ہمیشہ آگے رہتی ہیں اور اپنے بارے میں سوچنے سے پہلے ہمیشہ دوسروں کے بارے میں سوچتی ہیں اور ان کے لیے کچھ کر دکھانے کو ہمہ وقت تیار رہتی ہیں اور اسی عادت کی وجہ سے بہت سے لوگ دھوکا دے جاتے ہیں، کیوں کہ آپ حساس بھی ہیں، اس لیے لوگوں کے ایسے منفی رویے پر دکھی بھی ہوتی ہیں، لیکن اپنے احساسات کا اظہار نہیں کرتیں اور خاموشی کو ترجیح دیتی ہیں۔ لڑنا جھگڑنا آپ کی فطرت میں شامل نہیں ہوتا۔

☆ سیاہ

کالے رنگ کو عام طور پر اداسی یا پریشان کا رنگ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس رنگ کے حوالے سے منفی تاثر بھی لیا جاتا ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی اس رنگ کی کئی خصوصیات ہیں۔ ایسی خواتین، جنھیں یہ رنگ پسند ہے، وہ آزادی کے دلدادہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مضبوط ہوتی ہیں۔ انھیں اپنے احساسات کو چھپانا اچھی طرح آتا ہے، ہر طرح کے حالات سے خود کو ہم آہنگ کرلینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہوتی، لیکن اس کے ساتھ ہی دوسروں کو خود سے بے تکلف نہیں ہونے دیتیں اور اپنے اور دوسروں کے درمیان حد قائم رکھتی ہیں اور اپنی ذات اور خواہشات کو سب پر ترجیح دینا پسند کرتی ہیں۔

☆ گلابی

اس رنگ کو پسند کرنے والی خواتین بہت نرم دل، حساس اور اچھی طبیعت کی مالک ہوتی ہیں۔ فطرت سے پیار کرتے ہیں اور ملن سار ہوتے ہیں۔ انھیں لوگوں کے درمیان رہنا اچھا لگتا ہے۔ دوسروں کا خیال رکھنا ان کی اولین ترجیح ہوتا ہے۔

# بچوں کا موازنہ غلط ہے!

والدین کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے، کہ تمام بچے ایک جیسی صلاحیتوں کے حامل نہیں ہوتے۔ ہر بچے کی ذہنی سطح مختلف ہوتی ہے۔ ایک بچہ بہت ذہین ہوگا، تو دوسرا شاید اتنا نہ ہو یا بالکل بھی نہ ہو۔ ایسی صورت میں دوسرے بچے کو بھی پہلے بچے جیسی کارکردگی دکھانے اور اسے مسلسل دباؤ میں رکھنے کی کوشش مناسب نہیں۔ دوسرا بچہ پہلے بچے جیسی کارکردگی دکھانے یا اس کی مانند کچھ کر کے دکھانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کسی بچے کو مسلسل تنقید کا نشانہ بنانا اور اس کا، اس کے بہن یا بھائی کے ساتھ موازنہ کرنا اس کی تحقیر اور بے قدری کا باعث ہوتا ہے اور اس کے نتائج مزید بدتر نکل سکتے ہیں۔ ذہانت کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں اور ہر بچہ ذہانت کے اعتبار سے منفرد ہوتا ہے اور اس کے اندر اپنی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم بچے کو مکمل طور پر دیکھیں، سمجھیں اور پرکھیں۔ یہ نہ کریں کہ صرف اس کی ذہانت کے ان پہلوؤں کا جائزہ لے کر رہ جائیں، جو ہمارے خیال کے مطابق اہم ہیں۔ بچے کا بھرپور جائزہ لینے کے لیے صبر و استقامت اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں میں بلوغت اور ان کی اٹھان کے ساتھ تبدیلیاں بھی رونما ہوتی ہیں۔ والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ ان سے غیر مشروط طریقے سے محبت کریں ان کی راہ نمائی اور حوصلہ افزائی کریں، تو وہ اپنی تمام صلاحیتوں کی تکمیل کے قابل بھی ہو سکتے ہیں اور اگر والدین کا رویہ اس کے برعکس ہوا تو ان کی آزادی طبعی یا بالیدگی میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی اور نتیجتاً وہ ایک منتشر شخصیت کے حامل بن سکتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بہن بھائیوں کا آپس میں مسلسل موازنہ کرنے سے ان کے درمیان حسد کے جذبے کو فروغ ملتا ہے۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور ان میں حد سے زیادہ مقابلہ آرائی ہونے لگتی ہے۔ جب والدین اس قسم کے معاملات کو معمول کا حصہ بنا لیں اور وقفے وقفے سے اپنے ذہنی یا جسمانی طور پر کمزور بچے کا موازنہ اس کے دوسرے صحت مند اور ذہین بھائی، بہنوں سے کرنا شروع کر دیں، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے درمیان آپس میں ایک بھرپور چاہت اور محبت کے رشتے سے منکر ہو رہے ہیں، جو کہ آئندہ زندگی بھر ان کے لیے مددگار اور حوصلہ افزا ثابت ہو سکتا ہے، کیوں کہ یہ تو طے ہے کہ زندگی میں بہن بھائیوں کو کبھی نہ کبھی ایک دوسرے کی عملی، زبانی، مالی اور اخلاقی مدد کی ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے۔ بچے کو مکمل طور پر اس کی خوبیوں اور خامیوں کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ کیا، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس بچے کو اس کی بھرپور صلاحیتوں کا احساس دلانے میں مدد نہیں کر رہے۔ مثال کے طور پر اسکول کے بعض مسائل بھی شدت اختیار کر جاتے ہیں اور جو بچہ دوسرے بچوں سے مسلسل پیچھے رہتا ہے، اسے تعلیمی مسائل بھی پیش آ سکتے ہیں۔ جیسے کہ ڈسلیکسیا کے مریض ایک بچے میں بینائی کی کمی اور کلاس میں کم توجہ کی شکایات ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر وہ پڑھائی میں بھی پیچھے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ بچے جنھیں اپنی کلاس کے ساتھ چلنے میں دشواری پیش آتی ہے، ان کا مکمل فزیکل چیک اپ ضرور ہونا چاہیے۔ اسی طرح والدین کو چاہیے، کہ وہ بچوں میں اچانک رونما ہونے والی تبدیلی کو ہرگز نظرانداز نہ کریں۔ اگر کسی بچے کا اسکول کے بارے میں رویہ منفی ہو جاتا ہے، وہ اپنے اساتذہ کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے، اپنے ہوم ورک کو نظرانداز کر دیتا ہے، اس کی کارکردگی بدتر ہونے لگتی ہے، تو پھر والدین کو سمجھ لینا چاہیے کہ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوئی ہے۔ بچے کے اساتذہ سے ملاقات اور بچے کے مسائل کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے اپنے رویے پر نظر ڈالنی ہوگی۔ کبھی بھی یہ احساس نہ ہونے دیں کہ آپ کا پیار بچے کے لیے اسی صورت میں ہوگا جب وہ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرے گا۔ ہر صورت میں مثبت رویہ اختیار کریں۔ چاہے بچے کی کارکردگی بہتر ہو یا ناقص۔ کبھی بھی مایوسی کا اظہار نہ کریں۔ اگر وہ تھوڑی سی محنت کرلے تو یقیناً آئندہ اسے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اکثر والدین صرف تعلیم کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہیں اور ان کے ذہن میں بس یہی دھن سوار رہتی ہے کہ ان کے بچے ڈاکٹر، انجینئر یا کوئی بڑے افسر وغیرہ بن جائیں۔ اکثر والدین سوچتے ہیں کہ ان کے بچوں کی تعلیمی کارکردگی ان کی سماجی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے، یہ مکمل طور پر خود پسندانہ اور اپنی ذات کی تسکین کی سوچ ہے، لہٰذا والدین کو اس طرح سوچنے سے گریز کرنا چاہیے۔ والدین اپنے ہر بچے کو اپنے لیے خوشی اور لطف کا سبب سمجھیں، اپنے ہر بچے سے محبت کریں، چاہے اس کی کارکردگی جیسی بھی ہو، ذہین ہو یا کند ذہن، باصلاحیت ہو یا ناکارہ، معذور ہو یا صحت مند۔ اپنے بچوں کے درمیان عدم مطابقت اور مختلف صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہونا سیکھیے۔ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ آج کی دنیا میں کام یابی کے کئی راستے ہیں اور آپ کا بچہ کوئی بھی مخصوص دل چسپی کا راستہ اختیار کر کے اس میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر آپ اس کی حوصلہ افزائی کریں اور یہ دیکھیں کہ اس کی صلاحیت کو نشوونما مل رہی ہے یا نہیں۔ اسے یہ یقین دلائیں کہ وہ بڑا ہو کر ایک بااعتماد شخص ثابت ہوگا جو رسک لینے میں کوئی خوف محسوس نہیں کرے گا، لہٰذا بچوں کے درمیان موازنہ کرنے سے گریز کریں اور انھیں ہر وقت ایک دوسرے سے مسابقت پر نہ اکسائیں۔ ہر بچے کی اپنی شخصیت اور صلاحیت ہوتی ہے، سارے بچے ایک جیسی صلاحیت کے حامل نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی سارے بچے ایک جیسی کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، اس لیے والدین اپنے بچوں کے ساتھ موازنہ کرنے کی خطرناک غلطی نہ کریں۔

****

# سندھ اور ھند کی تاریخ ساز شخصیت: کھیئل داس فانی

نسیم بخاری

ایک استاد کا اپنے طلبہ کی تعلیم و تربیت میں تو بنیادی کردار ہوتا ہی ہے مگر اگر اس سے بھی بڑھ کر وہ کردار ادا کرے تو لوگوں کی زندگیاں صرف سنور نہیں جاتیں بلکہ تاریخ بھی بن جاتی ہیں بس ایسا ہی کردار کھیئل داس "فانی" کا تھا جس کی زندگی کے مختلف شعبوں میں طلبہ کی ویسے تو بہت بڑی تعداد ہے اگر وکلا برادری کے مشہور کرداروں میں دیکھا جائے تو سندھ کے بہت بڑے شاعر شیخ ایاز مشہور ادیب نورالدین سرکی اور مشہور ھندستانی ایڈووکیٹ رام جیٹھملانی بھی "فانی" کے طلبہ تھے یہ تینوں کردار وکالت کے حوالے سے منفرد مقام رکھتے ہیں مذکورہ شخصیات کے پس منظر میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ "فانی" کتنے عظیم انسان تھے اور ان کا کردار سماج کے حوالے سے کتنا شاندار رول تھا۔ کھیئل داس "فانی" 04 اپریل 1904ع پہ میاں جو گوٹھ میں ولیرام ہیکوانی کے گھر میں پیدا ہوئے یہ جس گاؤں میں پیدا ہوئے وہ گاؤں ایک تاریخی گاؤں ہے جہاں سے بولچند واسو مل راجپال مشہور سندھی میگزین 1932ع میں شائع کرتے تھے جو بعد میں شکارپور اور جیکب آباد سے بھی 1947ع تک شائع ہوتا رہا بولچند پاکستان بننے کے بعد مذکورہ میگزین 1965ع تک ھندستان سے بھی شائع کرتا رہا۔ کھیئل داس "فانی" کی ابتدائی تعلیم میں استاد کریم بخش نالوری کا بڑا عمل دخل تھا اور یہی وجہ ہے کہ جس طرح کھیئل داس "فانی" کو کریم بخش کی توجہ نصیب ہوئی بلکل اس طرح "فانی" نے بھی اپنے طلبہ پہ دھیان دیا نہ صرف نصابی مگر غیر نصابی اور ادبی ساز گار فضا اور ماحول کو یقینی بنانے کے حوالے سے بھی "فانی" نے کوئی کسر نہیں چھوڑی "فانی" کا ادبی استاد شاعر ادیب آغا صوفی تھا جس سے "فانی" 1929ع میں ملا تھا آغا صوفی نے "فانی" کی شاعری میں رھنمائی کی اور شکارپور کی ادبی سرگرمیوں کو عروج بخشا فانی خود لکھتا ہے کہ مجھے یاد ہے میرے پہلے غزل کی درستگی آغا صوفی نے کی تھی اور بعد میں بھی تخلیقی رھنمائی کرتا آیا کھیئل داس فانی نے ایم اے انگلش میں کی تھی اور شکارپور نیو ایرا موجودہ قاضی حبیب اللہ بوائز ھائی اسکول میں شیخ ایاز، نورالدین سرکی، رام جیٹھملانی میر شکارپوری اور دیگر کو پڑھایا اور ادبی تربیت بھی کی۔ شیخ ایاز "فانی" کے حوالے سے لکھتا ہے کہ "فانی کا میری زندگی کی ترقی میں اھم کردار ہے میں ان کے احسانات نہیں بھلا سکتا "فانی" میری زندگی میں اھم کردار ادا نہ کرتا تو میری شاعری کی موجودہ شناخت نہ ہوتی "فانی" الفاظ کا سنگتراش ہے "فانی" کی تحریریں جادوئی اثر رکھتیں ہیں "فانی" کے پاس خوبصورت الفاظ کا نیٹ ورک ہے جس سے وہ الٹے جذبوں کو نہایت مہارت کے ساتھ پھنساتا ہے۔ "فانی" کشن چند بیوس کے معرفت سی اینڈ ایس کالج شکارپور میں لیکچرار رہا جہاں بھی ادبی ساز گار فضا کے حوالے سے اھم کردار ادا کیا پاکستان بننے کے بعد ھندستان بھوپال کالج میں پروفیسر بنا جہاں 1973ع میں ریٹائرڈ ہوا صوبائی حکومت کی ادبی اکادمی کا نائب صدر بنا مرکزی ادبی اکادمی کا ممبر بنا کونسل سندھی ٹیکسٹ بک بورڈ کا چیئر آل انڈیا ریڈیو کا کنگ اور گیت کار رہا انٹر کالج کا پرنسپال بنا ھندستان میں اس کا پہلا شعری مجموعہ 1984ع میں شائع ہو چکا ہے جب کہ دوسرا شعری مجموعہ "پیلے پن" اور "خزاں کی خوشبو" 1990ع میں شائع ہوا "فانی" کی ناٹکس پہ مشتمل کتاب "کنی مارگ" بھی زندگی میں شائع ہوئی "فانی" کے ناٹکس ھندستان خاص طور پہ بھوپال کی اسٹیجز پہ پیش ہوتے رہے "فانی" خود بھی ایک آرٹسٹ کے طور پہ پیش ہوتے رہے "فانی" نے 1940ع میں بننے والی پہلی سندھی فلم "ایکتا" کا اسکرپٹ بھی لکھا ہے جو کریم بخش نظامانی نے بنائی تھی اور فلم کا ھیرو بھی خود ہوا تھا کریم بخش نظامانی کی سوانح حیات دو جلدوں پہ "ٹیچنگ کتاب" نہ فقط چھپ چکی ہے مگر رنگین مزاج باتوں کے باعث زبردست شہرت بھی حاصل کر چکی ہے "فانی" 08 اپریل 1995ع میں بھوپال ھندستان میں اس دنیا سے چل بسا "فانی" کو دنیا کی فنائیت کا پورا پورا احساس تھا اس لیے اس نے اپنا تخلص بھی "فانی" رکھا "فانی" کی شاعری نہ فقط فنی حوالے سے مضبوط ہے بلکہ وہ فکر انگیز بھی ہے اس کی شاعری میں جدت بھی تھی اور نفاست بھی روانی بھی تھی اور شگفتگی بھی "فانی" نے بیت اور گیت لکھے کافی میں بھی مشہور ہوئے غزل، نظم، مسدس، مربع اور رباعی میں بھی شاندار تجربے کیے 1995ع میں وفات کے بعد شعری مجموعہ "سرِ سایہ بوند" سندھی ادبی بورڈ سندھ نے شائع کیا جو ترتیب انور فگار ھکڑو نے دیا ہے "فانی" کی یاد میں شکارپور جم خانہ کلب میں سندھی ادبی سنگھارِ کمیٹی کی جانب سے مذکورہ شعری مجموعے کی تقریب رونمائی 2018ع میں ہو چکی ہے "فانی" کی شخصیت پے نقش نایاب سنگی یادگار کمیٹی اور بزم مسرور کی جانب سے ایک پروگرام بھی ہو چکا ہے ھندستان میں 2011ع میں پریم پرکاش کی صدارت میں برسی منائی گئی تھی۔ کھیئل داس "فانی" پہ 25 برس بیتنے کے بعد بھی نہ تو کسی سندھی نیوز چینل نے کوئی دستاویزی فلم بنائی ہے نہ ہی اس کی برسی یا جنم دن پہ میڈیا کی خصوصی کوریج کی ہے جو کہ 1997ع میں روزنامہ ہلال پاکستان حیدرآباد نے ایک خصوصی ادبی پیج شائع کیا تھا جو ڈاکٹر قاضی منظر حیات نے ترتیب دیا تھا۔ کتنی افسوس کی بات ہے کہ کھیئل داس "فانی" کو ہم سے بچھڑے 25 برس ہو چکے ہیں مگر اس کے باوجود "فانی" کی شخصیت اور فکر کا حق ادا کرتا ہوا آج تک کوئی ایونٹ منعقد نہیں ہوا سندھ کے بڑے شہروں کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں "فانی" کی یاد میں کوئی تقریب منعقد نہیں ہوئی ہے سندھ میں بڑے ادارے اور ادبی نمائندگی رکھنے والی تنظیموں نے بھی کبھی اس ضرورت کو محسوس نہیں کیا سندھی ادبی بورڈ نے "فانی" کا شعری مجموعہ تو شائع کرایا مگر اس کی تقریب رونمائی منعقد نہیں کر سکی ہے سندھ یا ھند کی کسی بھی یونیورسٹی میں "فانی" کے حوالے سے کوئی پی ایچ ڈی تھیسز نہیں لکھی گئی ہے اور نہ ہی کوئی مونوگراف منظر عام پہ آیا ہے مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کسی سندھی میگزین نے کوئی خصوصی نمبر شائع کیا ہو۔ "فانی" سمیت عظیم انسانوں کی زندگیاں ہمیں یاد دلاتیں ہیں کہ ہم بھی اچھا کردار ادا کریں تاکہ تاریخ بن جائیں آج اگر "فانی" کو ہم بھول گئے ہیں یا یاد نہیں کرتے تو یہ "فانی" کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہے نہ ہی "فانی" پے اس کا کوئی اثر پڑتا ہے اس کو جو کرنا تھا وہ کر گذرا ہم "فانی" اور اس جیسی دوسری شخصیات کو اگر بھلائیں گے تو ہماری نسل بھی ہمیں فراموش کرے گی لہٰذا یہ بات بہت سنجیدگی کے ساتھ سوچنی چاہیے کہ کیا مستقبل میں ہم اپنے ساتھ ہونے والے ایسے سلوک کو برداشت کر سکیں گے جو ہم نے "فانی" کے ساتھ روا رکھا ہے۔

نورالدین سرکی

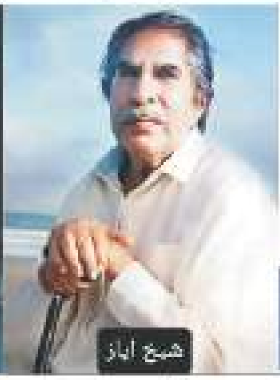
شیخ ایاز

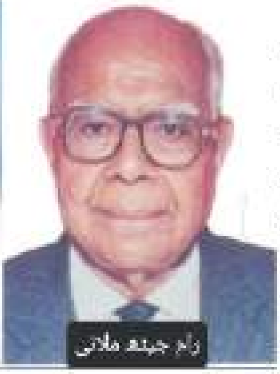
رام جیٹھ ملانی

# ڳاجي ڪهاوڙ جون مشهور اوطاقون ۽ سخي مرد

مولوي عجيب ڪهاوڙ

سنڌ ۾ اوطاقن جو ڪلچر هاڻي نه

ماضي جو حصو ٿيندو ٿو وڃي
ڪو زمانو هو جو اوطاقون
ڪچهري ۽ مهمان نوازي جو
مرڪز هونديون
هيون

جتي
ڏينهن رات هر
ايندڙ مسافر پرديسي ۽ بين
غريبن جي رهڻ ويهڻ ۽ کائڻ
پيئڻ جي لاءِ سراءِ بڻيل رهنديون آ
يون آهن ڳاجي ڪهاوڙ ۾ به اهڙيون
ڪرڙ ساريون اوطاقون رهيون آهن
جيڪي مهمان نوازي ۽ مقامي
سياست جو مرڪز رهيون آهن
مرحوم سيد حبيب الله شاهه
بخاري پاڪستان پيپلز پارٽي
جي باني اڳواڻن ۽ شهيد ذوالفقار
علي ڀٽو جي ويجهن سائين مان
رهيو آهي جنهن جي اوطاق جتي
ڪچهري مهمان نوازي جي حوالي
سان مشهور رهي آهي اتي
سياست جو به مرڪز رهي آهي
شهيد ذوالفقار علي ڀٽو ممتاز
علي ڀٽو عبدالوحيد ڪٽپر ۽ ٻيا
سياستدان سنڌن وٽ ايندا رهندا
هئا جتي عوام سان ڪليل
ڪچهريون به ٿينديون رهنديون

ڪهاوڙ جي اوطاق ۾ جتي هو پاڻ
هڪ وڏي ۽ شاندار ڪرسي تي
ويهندو هو اتي سندس سڄي
پاسي کان سرائي علئو خان ڪهاوڙ
۽ کبي پاسي کان سرائي خان
محمد ڪهاوڙ ويهندو هو
سرائي خان محمد

ڪهاوڙ
ڳوٺ خان
محمد ڪهاوڙ جو ڇڱو مڙس هو
جيڪو روزانو شام جو باقائدگي
سان ڳاجي ڪهاوڙ ۾ ايندو هو مٿي
تي اڇو پٽڪو سفيد صاف سٿرا
ڪپڙا پهريل ۽ هٿ ۾ نيٽ جو
لڪڻ انتهائي مٺڙي ٻولي ۾
گفتگو ڪندو هو ڪهاوڙ قبيلي
جي تاريخ جو وڏو ڄاڻو هو هن ڪي
هر ڪنهن جا شجرا برزبان ياد
هوندا هئا جتي سرائي خان محمد
ڪهاوڙ تاريخ جو ڄاڻو هو ته اتي
وري سرائي علئو خان ڪهاوڙ وري
راڳ جو وڏو ڄاڻو هوندو هو استاد
منظور علي خان کي گهڻو پسند
ڪندو هو سدائين ان جي ڪيسٽ
ڪيسي ۾ کنيو وتندو هو ڪنهن

شهر جي ڊاڪٽر محمد پيارل
ڪانڌڙو اچي ڪلينڪ کولي هئي
جتي هن زندگي جو وڏو عرصو
گذاريو

عزت ۽
شرافت
سان پنهنجو
وقت گذاريو ڪڏ جي
مٿان ٿي سرائي غلام
حسين ڪهاوڙ جي اوطاق
هوندي هئي جتي وري پرديسي
فقيرن ۽ ٻاڳڙين جا ميلا متل
هوندا هئا هن اوطاق ۾ ڪپڙن جي
ڌلائي ۽ استري جو ڪم ڪندڙ
استاد فيضل به وڏو عرصو رهيو هو
جنهن کي اوطاق جو هڪڙو ڪمرو
مليل هوندو هو جتي هو رهندو
استاد فيضل اصل ٺٽبر جي پاسي
جو هو سرائي غلام مرتضي ڪهاوڙ
جي اوطاق به ڪچهري ۽ مهمانن
جو مرڪز هئي سرائي سئل خان
ڪهاوڙ وري هن اوطاق جي سرنهن
هوندو هيو گوپانگن جي پاڙي ۾
زوار خادم حسين گوپانگ جي به
اوطاق مشهور هوندي هئي

ڪان وٺي شام تائين نه ماني پاڃي
ختم ٿئي ۽ نه ٿي لسي ختم ٿئي
۽ ٻي ڳال جي حوالي گهر جو ڪم
مال جو ڪم ڪيائين وڏو سخي
مرد ۽ مهمان نواز نه مامو بخش
علي ڪهاوڙ به هو پر
سندس قسمت ڪا
اهڙي هئي جو سڄي
زندگي ڪنهن هڪ
جاءِ تي رهي نه
سگهيو

سدائين
لڏپلاڻ ۾ هن جي زندگي گذري پر
جتي به رهيو مڙس ماٺهو ٿي رهيو
هن جي اوطاق ۾ چوويهه ڪلاڪ
ماني هلندي رهندي هئي مٽي ۽
چانهه نه سرائي راڄو خان ڪهاوڙ جي
اوطاق ۾ به هر وقت ملندي رهندي
هئي جيڪا سندس پيروي سندس
اولاد ڪندي ٿي اچي ۾ سرائي
راڄو خان ڪهاوڙ جي جيڪا خاص
خوبي هئي نه هو چانهه ڪڏهن به
اڪيلي سر نه پيئندو هو صبح جو
هو پنهنجي ڳوٺ خان محمد
ڪهاوڙ مان ڳاجي ڪهاوڙ ايندو هو
رجب علي سومرو ۽ محمد هاشم

هيون سرائي قربان علي خان
ڪهاوڙ ۽ سرائي گل محمد خان
ڪهاوڙ به پاڪستان پيپلز پارٽي
جي بنيادي اڳواڻن ۽ ڀٽو صاحب
جي ويجهن سائين ۾ شامل رهيا
آهن سرائي گل محمد خان ڪهاوڙ
جو به مقامي سياست ۾ هميشه
اهم ڪردار رهيو جنهن جي اوطاق
سياست جو مرڪز رهندي آئي آ
هي نئين جي يادن ۾ جيڪي
عڪس اڄا تائين ذهن ۾ محفوظ
آهن نه سرائي گل محمد خان

دوڪان تي ويهي دوڪاندار ڪي
چوندو هو نه ابا هي ڪيسٽ نه
هلائجان سرائي گل محمد خان
ڪهاوڙ پنهنجي پٽن سرائي سبز
علي ۽ سرائي ڪريم بخش جي
طوهرن تي سرائي علئو خان ڪهاوڙ
جي فرمائش تي استاد منظور علي
خان کي گهرايو هو هوئن نه خود
سرائي علئو خان ڪهاوڙ جي
پنهنجي به اوطاق هئي جيڪا
سندس گهر جي پرسان ڪڏ جي
مٿان آ هي جتي بعد ۾ ڪنڌرا

مهمانن ۽ پرديسين کي ماني
کارائڻ ۾ نور محمد سوڻائي
ڪهاوڙ به پنهنجو مٽ پاڻ هو
جيڪو ان وقت شاهه گوڏڙيو ڏانهن
ويندڙ ڏاند گاڏين کي روڪي
سڄي ڄڃ کي ماني کارائيندو هو
رڳو ماني کارائڻ جي ڪري ٿي نور
محمد سوڻائي ڪهاوڙ به شاديون
ڪيون هيون هڪ ڳال کي رڳو
ماني پوڙ ۽ لسي جو ڪم سونهي
حڪم جاري ڪيائين نه صبح



ماهوار ويج ڪراچي

# شگر جي بيماري ۽ ان جو دماغ تي اثر!

شگر لفظ اڄڪلهه عام ٿيندڙ ٿو وڃي، اصل ۾ ان کي انگريزي ۾ ۽ ڊاڪٽري زبان ۾ (Glucose) "گلوڪوز" چئبو آهي. انسان جي جسم ۾ گلوڪوز جو هڪ خاص مقدار هميشه هوندو آهي. جنهن جي موجودگي ۾ جسم جو هر عضوو ڪم ڪندو آهي. دماغ ۾ دماغي ڪم وڌ ۾ وڌ گلوڪوز استعمال ڪندو آهي. جيڪڏهن گلوڪوز جو مقدار (خون ۾) مقرر حد کان وڌيڪ رهندو ته گلوڪوز پيشاب ۾ به اچڻ شروع ٿيندو آهي. جنهن کي Diabetes Mellitus ۾ سڏجي ٿو ۽ "مٺو پيشاب" به چئبو آهي. گلوڪوز جي پيشاب ۾ ضايع ٿيڻ سان گڏ يا ڪجهه ڇڙا به ضايع ٿين ٿا. گلوڪوز جي مسلسل ضايع ٿيڻ سبب دماغي ۽ نسن سرشتي (Nervous Symptom) تي برو اثر پوي ٿو. اصل ۾ مٺو پيشاب يا شگر جي بيماري ڇا آهي؟ ان جي وصف هيئن ڪري سگهجي ٿي.

"انسولين جو گهٽ مقدار يا انسولين جو گهٽ اثر" شگر جو مرض پيدا ڪري ٿو (3) "Insufficient Ineffective Insulin" لبلبو يا شيردان انسولين پيدا ڪري ٿو، جيڪا شگر جي مقدار کي ضابطي ۾ رکي ٿي. جسم ۾ گلوڪوز جو مقدار (100 to 170) هڪ سئو کان 170 تائين هئڻ گهرجي. 100 کان گهٽ نه هجي ۽ 170 کان وڌيڪ نه هجي، ٻي صورت ۾ جسم صحيح ڪم نه ڪندو. گلوڪوز جو گهڻو گهٽ ٿي وڃڻ خطرناڪ آهي، جو نه دماغ ڪم نه ڪندو ۽ چڪر اچڻ لڳندا ۽ ماڻهو بي هوش به ٿي سگهي ٿو ۽ جان جو خطرو هوندو آهي، جو ته دماغ کي ڪم ڪرڻ لاءِ گلوڪوز جي ضرورت آهي.

شگر جي بيماري ۽ دماغ سان گڏوگڏ جسم جي ٻين حصن تي به اثر پهچي سگهي ٿو جهڙوڪ اکيون، ٻڪيون، ٽنڊون، معدو، پير ۽ آڱريون وغيره. تنهنڪري شگر جي مريض کي گهرجي ته پنهنجي مرض کي هميشه ضابطي ۾ رکي ته جيئن ٻين بيمارين کان بچي سگهن ۽ پنهنجي معالج جي هدايتن موجب دوائون کائيندا رهن. کاڌي جو احتياط ڪن ۽ هلڪي ڦلڪي ورزش ۽ واڪ (پنڌ) ڪندا رهن. جيڪڏهن شگر جي مرض ۾ گلوڪوز جو مقدار لڳاتار وڌيل رهي ٿو ۽ ان کي دوائن ۽ انسولين وسيلي ڪنٽرول نٿو ڪيو وڃي ته ان مسلسل وڌيل گلوڪوز جي مقدار سبب دماغ تي خراب اثر پوي ٿو. ان جا سيل (جيو گهرڙا) صحيح ڪم نه ٿا ڪن ۽ ڪجهه عرصي کانپوءِ انسان جي سمجهه ۽ سجاڳي گهٽ ٿي وڃي ٿي، ويسر پيدا ٿئي ٿو ۽ آهستي آهستي ڪم ڪرڻ جي صلاحيت به گهٽجي وڃي ٿي، جنهن کي Dementia چئبو آهي.

شگر وڌيل هجڻ جي ڪري دماغ سان گڏوگڏ نسن سرشتي تي به اثر پوي ٿو ۽ اهو آهستي آهستي ڪمزور ٿيندو وڃي ٿو، جنهن کي Neuropathy چئبو آهي ۽ جسم ۾ سور ۽ سستي رهي ٿي. آڱريون وغيره سن رهڻ لڳن ٿيون ۽ ڌڪ لڳڻ سان پوري خبر نٿي پوي، زخم ٺيڪ لڳن ٿا ۽ زخم آساني سان ٺٺا جلن ۽ ناسور ٿي سگهن ٿا. ڪڏهن ڪڏهن پيرن جي آڱرين تي گهڻو اثر ٿئي ٿو ۽ نسن کي گاڏيا ڪمزور ٿي پوي ٿو ۽ بيمار ٺيڪ نٿو ٿئي ۽ آخر ان آڱر يا آڱرين کي آپريشن ڪري ڪٽڻو پوي ٿو. اهڙي نوبت به اچي سگهي ٿي، تنهنڪري شگر جي مرض جو مسلسل علاج ڪرڻ ضروري آهي. اکين جو تنتن پردو (Retina) ۾ شگر جي مرض وڌيڪ متاثر ٿئي ٿو ۽ نظر گهٽ ٿي سگهي ٿي. هن شگر جي مرض ۾ جنسي طاقت به گهٽ ٿي ويندي آهي.

شگر جي بيماري (مٺا پيشاب) تي سڄي دنيا ۾ تحقيق هلندڙ آهي ۽ پاڪستان ۾ به ڪن ڊاڪٽرن ثابت ڪيو آهي ته جيڪڏهن ٻن پيڙهن وارن ماڻهن جي اولاد کاڌي ۾ تبديلي آڻي، مٺايون، ڪيڪ، بسڪٽ ۽ پيسٽريون وغيره نه واپرائن (فروٽ ميوا وغيره) ۽ پلي استعمال ڪن ته هن بيماري کان بچي سگهن ٿا. يعني انهن ۾ بيماري ٿيڻ جو امڪان گهٽجي ويندو، ڇو ته جو هي بيماري موروثي آهي ۽ خاندانن ۾ هلندي آهي. ڪڏهن ڪڏهن گلوڪوز جو مقدار هڪدم گهٽ وڌ ٿيڻ ڪري مريض جو دماغ پوريءَ طرح بي هوش نه ٿيندو آهي پر ان تي اثر ٿيندو آهي. سڄاڻي نه سگهندو آهي، وقت جي خبر به نه پوندي اٿس، رات ڏينهن جي خبر به نه پوندي اٿس، ويسر ٿيندي اٿس ۽ ڪاوڙ وغيره ڪري سگهي ٿو ۽ اها حالت عارضي هوندي آهي ۽ شگر جو صحيح ۽ وقت تي علاج ڪرڻ سان اها حالت به ختم ٿي ويندي آهي.

جو نه اها عارضي حالت آهي ۽ بلڪل صحيح ٿي ويندي آهي، ان کي Delirium چئبو آهي.

يعني شگر صحيح ڪرڻ سان ان جا دماغ جا Symptoms به ٺيڪ ٿي ويندا. مسلسل شگر جي مرض جو علاج نه ڪرڻ سان ٻڪين (گرڙن) تي به اثر ٿي سگهي ٿو ۽ اهي خراب ٿي وڃن ٿا ۽ صحيح ڪم نٿا ڪن ۽ بار بار انهن ۾ بڪير Infection به ٿي سگهي ٿو. تنهنڪري خون ۾ Glucose جو مقدار صحيح ۽ پورو رکڻ انتهائي ضروري آهي. شگر جي مريض کي هر هر دست اچڻ يا وري پيٽ جي ڪا تڪليف ٿي پوڻ جو به امڪان آهي. جيڪڏهن شگر جي بيماري تي ڪنٽرول ڪيو نه ويندو ته مطلب نه شگر جو مرض گهڻو پراڻو به آهي ۽ مستقل علاج ڪرڻ به تمام ضروري آهي. جيئن دماغي ۽ ٻين بيمارين کان بچي سگهجي.

علاج ڪرڻ لاءِ ضروري آهي ته کاڌي جي پرهيز ڪجي. مٺايون ۽ گيهه واريون شيون نه کائڻ گهرجن. ڀاڄيون ۽ ميوا کائي سگهجن ٿا. کاڌي ۾ تبديلي آڻجي جو نه اهو به علاج جو حصو آهي. شگر گهٽ ڪرڻ جون گوريون ۽ انسولين جون شيون موجود آهن ۽ مختلف قسم جون آهن. تنهنڪري ڊاڪٽر يا طبيب جي صلاح سان استعمال ڪجن ۽ پاڻمرادو شگر جون هي گوريون نه کائجن. وقتي وقتي سان Glucose جو مقدار (رت ۾) ليبارٽري مان چيڪ ڪرائجي. Glucose چيڪ ڪرڻ جو اوزار گهر ۾ وٺي رکجي ۽ ان سان به اهو مقدار چيڪ ڪري سگهجي ٿو ۽ اهو بلڪل سولو ۽ جلدي ٿي سگهي ٿو. رمضان شريف ۾ روزي جي حالت ۾ شام جو Glucose جي ليول 80 يا 90 تائين ٿي ويندي آهي پر ڪجهه ڪونه ٿيندو آهي ۽ تندرست ماڻهو لاءِ اها ڪا خطري جي ڳالهه نه آهي.

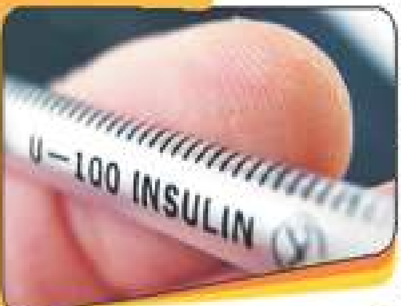

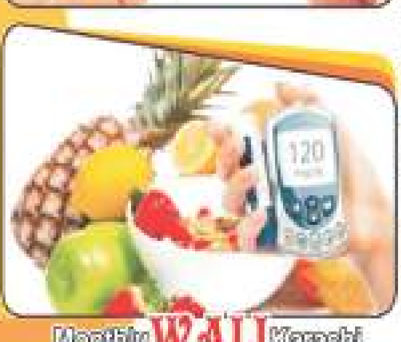

f murreebrewerycompany www.murreebrewery.com

پرهه امر مگسي

# زنده دلين جي شهر ڪراچي جو الله واهي

ڪافي عرصي کان ڪراچي شهر هڪ عجيب قسم جي وبا ۽ بدبوءِ جي وڪڙ چڙهيل آهي جنهن به علائقي يا روڊ کان گذر ٿيندو ته اتي سون جي تعداد ۾ توهان کي رڳو ڳجهون لامارا ڏينديون نظر اينديون. ڳجهه هميشه مردار شين تي نظر

اينديون آهن. گهٽي پاڳي لڳندو آهي ته ڪراچي شهر ۾ مردارن جو شهر ٿي ويو آهي

جهڪو ڪراچي ڪنهن دور ۾ پنهنجي سلي موسم برسات جي بوندن سان مهڪندو هو جنهن جي مهڪ ۽ خوبصورت موسم جي

ڪري ڪراچي ۾ پوري دنيا جا خوبصورت پکي سفر ڪري اچي هتي مهمان ٿيندا آهن يا هتان جا ٿي ٿي رهندا هئا جنهن جي

خوبصورت لاڪن جي ڪري ڪراچي جي آسمان سان زندگيءَ جون رونقون روان ٿينديون نظر اينديون هيون پر افسوس جو انهن خوبصورت پکين کي هتان جي رهواسين موت جي نظر ڪري ڇڏيو هڪ ته انهن پکين جو شڪار ڪري ٻيو هتان جي هوا ۾ تيزي سان وڌندڙ آلودگي ۽ سمنڊ ۾ زهريلو مواد هجڻ ڪري خراب ٿيندو پيو وڃي. ايئن ئي تيزي سان انهن پکين جو موت ٿيندو رهيو ۽ آخر ڪار انهن خوبصورت ۽ قيمتي پکين ڪراچيءَ جي زهريلي هوائن کان منهن موڙي ڇڏيو

جنهن جي جڳهه انهن بدبوءِ دار ڳجهن ورتي. ان سڄي تباهي جو ذميوار

ڪير آهي؟ حڪومت يا هتان جا رهاڪو؟؟؟ پر ا هي پڪي ذميواري آهن جيڪڏهن هتان جي رهواسين جي ڳالهه ڪنداسين ته هن شهر ۾ هر طرح جي قوم رهائش پذير آهي ۽ هن شهر هر قوم جو پيٽ پريو آهي پر انهن رهواسين صرف هن شهر کي پنهنجي پيٽ پرڻ لاءِ استعمال ڪيو باقي هن شهر ۾ جا ٽوٽي لڌي ان سان انهن جو ڪو سروڪار ناهي شهر گهٽي

تمام آباديءَ جي

ڪري ۽ انتها کان وڌيڪ فيڪٽرين ڪري گندگي ۽ ماحولياتي آلودگي جو شڪار ٿي ويو آهي. اهي به ڏينهن هئا جو صدر جي هر چوڪ تي

رنگبرنگي ڪبوتر پنهنجي خوبصورت ڏن ۽ چال سان ماحول کي خوشگوار

بڻائيندا هئا پر هاڻي اتي ڪو به ڪبوتر نظر ڪونه ٿو اچي سمنڊ ڪناري جتي ماڻهون سڪون ۽ زندگي حاصل ڪرڻ لاءِ ويندو آهي اتڪري جو لهرون ۾ زندگي هوندي آهي پر اڄڪلهه اتي به وڃڻ سان توهان کي هر طرف بدبوءِ ۽ ڳجهون لامارا ڏيندي نظر اينديون زندگي ته پري جي ڳالهه پر

لهرون ۾ موت جي بدبوءِ ۽ گندگي جو منظر نظر ايندو جيڪڏهن

حالتون اهي رهيون ته اهو ڏينهن پري ناهي جو سمنڊ ڪناري ويندڙن تي ڳجهون حملا ڪن سموري مسئلن ڪانسواءِ هاڻي وري هن شهر تي هڪ ٻي بيماري ڪرونا وائرس جي ناليءَ سان نمودار ٿي آهي جيڪو شهر اڳي ئي ڳجهن جي ور چڙهيل آهي پوءِ ته ڪو معجزو ئي هن شهر کي بچائي باقي هن شهر ۾ مهمان طور رهندڙن هن شهر کي بدبوءِ ۽ موت جي منهن ۾ ڌڪڻ جي ڪا ڪسر ناهي ڇڏي اتي ان تباهي ۾ اسان جي ڪراچي انتظاميا برابر جي حصيدار آهي ۽ هتان جا مهمان ٿي آيل شهري جنهن وقت ايتري ڦرلٽ ۽ بچت هوندي به ڪو مناسب تدارڪ ڪو ڪيو هن شهر کي ڳجهن کان بچائڻ ۽ صفائي توڙي خوبصورتي لاءِ قلم کڻي. ايئن نه ٿئي جو هي سنڌ جي راڄڌاني وارو زنده دلين وارو شهر جو الله واهي هجي.....

# تھر کے آر او پلانٹ کی رقم کس کی جیب میں؟

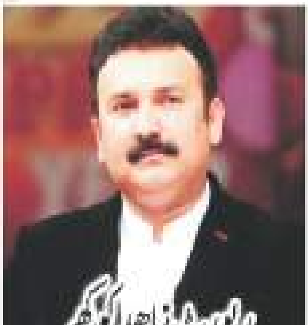

رپورٹ زاھد لوکھر

تھر کی قسمت کی بات ہوتی ہے تو بہت سارے سوال اٹھتے ہیں سندھ بھر بالخصوص تھر کے عوام کو پینے کے صاف پانی کی فراہمی کے منصوبوں میں اربوں روپے کی کرپشن کا انکشاف ہوا ہے، وزیر اعلیٰ سندھ نے آڈٹ رپورٹ کی نشاندہی پر اعلیٰ سطحی تحقیقات کا حکم دے دیا۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ اینڈ رورل ڈیولپمنٹ کے سابق سیکریٹری روشن علی شیخ کی جانب سے بھیجی گئی سمری کو منظور کرتے ہوئے چیئرمین اینٹی کرپشن کو تحقیقات کا حکم دیا۔ سیکریٹری پبلک ہیلتھ کی جانب سے بھیجی گئی سمری میں پانی کی فراہمی کے منصوبوں میں بڑے پیمانے پر مالی بے ضابطگیوں اور کرپشن کی تصدیق کی گئی، ذمہ داروں کا تعین کرنے کیلیے تحقیقات کی درخواست کی گئی۔

سیکریٹری سروسز اینڈ جنرل ایڈمنسٹریشن نوید احمد شیخ نے بھی سیکریٹری پبلک ہیلتھ اور آڈٹ رپورٹ سے اتفاق کرتے ہوئے تحقیقات کیلیے معاملہ محکمہ اینٹی کرپشن یا وزیر اعلیٰ انسپکشن ٹیم کو بھیجنے کی سفارش کی تھی۔ سیکریٹری سروسز اینڈ جنرل ایڈمنسٹریشن نوید احمد نے اپنی رپورٹ میں ذمہ دار افسران کا بھی تعین کر دیا، نوید احمد شیخ کا کہنا تھا کے معاملے میں ملوث افسران ریٹائرڈ ہو چکے ہیں لہذا معاملہ تحقیقاتی ادارے کو بھیجا جائے، سیکریٹری سروسز کی رپورٹ میں انکشاف کیا تھا کے محکمہ ورکس اینڈ سروسز کے سپرنٹینڈنگ انجینئر اور اس وقت محکمہ برائے اسپیشل انسٹیٹیوٹ کے پراجیکٹ ڈائریکٹر علی اکبر ابڑو چیف انجینئر نفیس احمد شیخ ایڈیشنل سیکریٹری فرید احمد جونیجو اور سپرنٹینڈنگ انجینئر حسن علی میمن عہدوں پر موجود تھے اور انکی موجودگی اور ملی بھگت سے کرپشن ہوئی، وزیر اعلیٰ سندھ کو بھیجی گئی سمری میں محکمہ لوکل کونسلز کے ڈی جی آڈٹ آفس کے ڈائریکٹر طارق علی شاہ کی رپورٹ سے بھی اتفاق کیا گیا، محکمہ اسپیشل انسٹیٹیوٹ میں دو ہزار دس سے دو ہزار اٹھارہ تک منصوبوں میں بڑے پیمانے پر کرپشن کی نشاندہی کی گئی، رپورٹ سپریم کورٹ کے احکامات پر بنائے گئے واٹر کمیشن میں بھی پیش کی گئی تھی۔ ڈائریکٹر آڈٹ طارق علی شاہ کی جانب سے مرتب کردہ آڈٹ رپورٹ میں سندھ بھر بالخصوص تھر کے غریب عوام کو پینے کے صاف پانی کی فراہمی کے منصوبوں میں اربوں روپے کی کرپشن کی نشاندہی کی گئی۔ آڈٹ رپورٹ تحت محکمہ اسپیشل انسٹیٹیوٹ کے تحت سولر سسٹم پر چلنے والے آر او پلانٹس اور فلٹر پلانٹس لگانے کیلیے مختص کی گئی 13 ارب روپے سے کی رقم خورد برد

کی گئی

اور اکثر منصوبے شروع ہی نہ کیا جاسکے، تیرہ ہزار دو سو انیس پوائنٹ تہتر ملین روپے کے منصوبوں کیلئے ہیر اپھیری اور تمام قوانین کی دھجیاں بکھیری گئیں، افسران کوئی ثبوت فراہم نہ کرسکے، ڈرلنگ واٹر جب فیز تھری کیلئے پی سی ون کے مطابق سولر آر او پلانٹس ایک گھنٹہ دو ہزار لیٹر پانی فراہم کرنے والے یورپین اور امریکی ٹیکنالوجی کے لگائے جانے تھے، مگر دونوں ٹیکنالوجیز لیے بغیر پانچ سو اور ایک ہزار لیٹر فی گھنٹہ پانی فراہم کرنے والی غیر معیاری ٹیکنالوجی کا استعمال کیا گیا پی سی ون کی منظوری کے مطابق ٹیوب ویلز کی ڈرلنگ کیلئے 265.50 ملین روپے کی رقم مختص کی گئی، مگر ادائیگی 1267.88 ملین کی گئی اور اسی طرح سے خلاف ضابطہ 1005.38 ملین کی رقم منصوبے سے تجاوز کرکے ادا کی گئی جس کہ 383 فیصد زیادہ تھی، پی سی ون کے مطابق مرمت اور مینٹیننس کیلئے رقم 0.72 ملین روپے فی پلانٹ رکھی گئی تھی جسکو متعلقہ حکام کی منظوری کے بغیر 0.90 ملین فی پلانٹ بڑھادیا گیا اسی طرح مرمتی رقم میں 133 ملین روپے کا اضافہ کیا گیا۔ پی سی ون کے مطابق ڈرلنگ واٹر جب فیز ون کیلئے میسرز پاک اوسیس کمپنی کے ذریعے سندھ کے مختلف اضلاع میں 200 آر او پلانٹس، 200 الٹرا فلٹریشن پلانٹس اور 200 نینو فلٹریشن پلانٹس لگائے جانے تھے مگر متعلقہ حکام اور اداروں کی منظوری کے بغیر آر او پلانٹس کی تعداد میں 190 نینو فلٹریشن پلانٹس کی تعداد میں 200 اور دس الٹرا فلٹریشن پلانٹس مزید بڑھائے گئے، معاہدے کے مطابق کمپنی کو جرمن امریکن یا ویسٹرن یورپین کے معیار کے سولر فلٹریشن پلانٹس لگائے جانے تھے مگر آلات کے معیار کے متعلق کوئی شواہد پیش کیے نہ جاسکے، تھرڈ پارٹی لیبارٹری ٹیسٹ کے شواہد بھی فراہم نہ کیے گئے، اسی طرح چار ارب اڑتیس کروڑ سترہ لاکھ روپے کی رقم خورد برد کی گئی، بیانگی کتاب میں فیک انٹریز کرکے ایک ارب 98 کروڑ 61 لاکھ روپے کی رقم خورد برد کی گئی، آڈٹ رپورٹ تحت ہیرا پھیری کے ذریعے اخراجات بڑھا کر دو ارب ستر کروڑ اکہتر لاکھ روپے کی رقم خورد برد کی گئی، مختلف چیکوں کا حوالہ دے کر۔

# ساحل سڪندر واره

# تاريخي شهر حمل ۽ ڍنڍ جي تباهي جي ذميواري ڪير کڻندو؟

حمل شهر واره شهر کان اوله ۾ تقريبن 30 ڪلوميٽر جي مفاصلي تي آهي پڌرن ۾ اچي ٿو ته حمل شهر چار ڏهاڪا اڳ تباهه ٿيو هن شهر بابت علائقي واسي فقير علي دوست خاصخيلي ٻڌائيندي چيو ته ته حمل ماضي جو هڪ شاندار تندرو شهر هيو جنهن جون ڪشاده ۽ بازارون هيون وڻج واپار بهتر هيو پوءِ خبر ناهي ته هي شهر ڪيئن ويران ٿيو جيتوڻيڪ هن شهر جي ويرانيءَ بابت اسان کي پتهنجي وڏڙن ۾ اهو ئي ٻڌايو ته وقت سر سرڪار جي بي ڌياني سبب سهولتن جي اڻاٺ ڪري لڏ پلاڻ ٿي جنهن ڪري وسندڙ شهر ويران ٿيو. ماضيءَ جي حمل شهر هالوڪي حمل ڳوٺ بابت چون ٿا ته هتي 4 مختلف ذاتين جا حمل نالي ماڻهو هوندا هيا جنهن ۾ حمل واٽيو، حمل چانڊيو، حمل تيرٿو حمل جت شامل آهن هاڻ خبر ناهه ته موجوده حمل شهر انهن چئن مان ڪنهن جو هيو يا ڪنهن جي نالي سان منسوبيت رکي پيو ان بابت تاريخ جي ڪتابن مان شايد ڪا ڄاڻ ملي پوي حمل شهر لاءِ حمل ڍنڍ جي رڄ جنهن کي ٻڇهار ڇيو وڃي ٿو اتان واري ڍنڍ جي حصي مان تڪر تندڙ وسيتو مٽي حمل شهر ۽ شاه گوڏڙيو ڪاڇي طرف وڃي ٿو جنهن کي حمل ڦاٽڪ جي نالي سان سڏيو وڃي ٿو جيڪو ڦاٽڪ اڄ ٻڇهار واري حصي ۾ بچاءُ بند سان نشان طور موجود آهي، حمل ڳوٺ واري پٽي ۾ اڄ به مختلف قسم جي ذاتين وارا ماڻهو رهن ٿا جن ۾ چانڊيا جا پاڙا معرفاڻي ميرزاڻي شابراڻي غنيباڻي جت موچي ميربحر گاڏهي وغيره حمل جي هالوڪي تباهي سبب ڪافي ڳوٺ برادريون لڏپلاڻ ڪري هتان هليا ويا آهن چوڻ ته حمل جي سونهن ليکي ويندڙ هتان جي ماڻهن جي معاشي سگهه حمل ڍنڍ به گدريل پڻ ڏاڪڻ کان هٽ وڃي تباهي جي ڪناري پهچائي وڃي آهي اهڙي ريت حمل نالي روڊ جيڪو واره کان هيٺ ڪاڇي حمل تائين وڃي ٿو اهو پڻ ڪجهه عرصي کان تباه ٿيل آهي حمل شهر ۾ تر علائقي جي سجائپ حمل ڍنڍ ملڪ جي بي مثال وڏي ۾ وڏي ڍنڍ آهي جيڪا ماضيءَ جي هڪ شاهڪار قدرتي حسن رکندڙ ڍنڍن ۾ شمار ٿيندي هئي

دنيا جي سڌريل ملڪن اندر قدرتي سونهن رکندڙ ڍنڍن ڍورن ٿڌن واهن کي قانوني شڪل ڏئي انهن سميت انهن ۾ رهندڙ آبي جيوت کي بچائڻ لاءِ زبردست قانون پاس ڪيا ويندا آهن ته جيئن قدرت جو حسن بحال رکي سگهجي ۽ آبي جيوت کي پڻ جيئندان ملي سگهي پر افسوس جو هين ان جي برعڪس اسان وٽ فطرت جي سونهن کي بگاڙڻ لاءِ وسان ناهي گهٽايو ويو ايشيا جي ٻيو نمبر وڏي ڍنڍ کي هٽرادو بند ڏئي سگهيو ويو جنهن سبب علائقي مڪين جي روزگار کان ويندي هن ڍنڍ جو قدرتي حسن پڻ تباه ٿيو ۽ مڇي سميت هن ڍنڍ مان مال جو چارو گاهه ٻڪي پکڻ پڻ ختم ٿي چڪا آهن حمل ڍنڍ هن علائقي مڪين لاءِ روزگار جو وڏو ذريعو هئي پر افسوس جو هاڻ حمل ڍنڍ منجهان مڇي سميت پکي ۽ ٻي آبي جيوت هميشه لاءِ موڪلائي ويا آهن

واره کان حمل روڊ سان ويندي جڏهن ايشيا کنڊ جي ٻيو نمبر وڏي حمل ڍنڍ تي پهچجي ٿو ۽ اتان جي مجبور ملاحن سان حال ڀاڻي ٿجي ٿو تڏهن اکيون نم ٿيو وڃن ٿيون هنن جي چهرن ۾ ٻيل گهٽج اکين ۾ پيلاڻ وارن مان چٽندڙ ڏسي اسان کان هزار سوال ڪندي پڇي رهيون هيون ته اسان جي هن ڪسمپرسي واري زندگيءَ جو ذميوار ڪير آهي؟

هن جديد دور ۾ به هو پيئڻ جي صاف پاڻي کان ويندي صحت تعليم ۽ سفر جي سهولتن کان

ڪوهين ڊور بيٺل آهن حمل ڍنڍ جي پڪ سان رهندڙ سوين مهاڻا روزگار جي اڻ هوند سبب فاقا ڪشي واري زندگي بسر پيا ڪن سندن جي ڪمائي جو واحد ذريعو حمل ڍنڍ هئي جيڪا بارش هوندي سر شاخن ۾ پاڻي هوندي بہ خبر ناهي تہ ڇو سڪائي وئي آهي ؟ ڍنڍ جي سڪل ترين ۾ ويٺل ان ملاح جو دردڪيش وسارجي جنهن سان رويرو ملڻ جو موقعو مليو ،جنهن جهيڻي انداز سان حمل ڍنڍ واري

اڄ سوڪهڙي سبب مڇي جا سمورا نسل ختم ٿي چڪا آهن مڇيءَ جي نسل بابت پڇيل سوال تي

ملاح مڇيءَ جا ڪرڙ سارا نالي ڪئي وچي ٿو جيڪي هن حمل ڍنڍ ۾ هوندا هيا جهڙوڪ ڪرڙو ، موراکو، ٿيلهي جنهن کي وات وڏو بہ ڇيو وچي ٿو ،شاڪر ، ڇرڪو ، چٽو ،

ساڻ ۽ ڏوريو ، هنج ، ڪونج ، پرهڙو ، ڪوڪڙاٽ ، لاکيجاجي ، پيڻ کتيهو، ڪڪڙ، صحب پيڻ ٿر نيرگ ، ڪانيرو، ڪينو، بگهو ، چوريائي ٽيٽا ، چاڙهو ڪليٽ ڪڻ اچي هن ڍنڍ ۾ آماجگاه جوڙيندا هيا پر افسوس جو هاڻ هي ڍنڍ فطرتي حسن وڃائي ويٺي آهي ڪيڏو نہ انساني الميو

ڳڙڪائي وڃن ٿيون پنهنجي طرف ڪاڻ پڇائيندڙ معاف ٿيل آهي اهڙي ريت هن علائقي جا چونڊيل نمائندا بہ غريب مسڪين ماڻهن جي ير گهوو لهڻ ۾ مڪمل ناڪام ريا آهن ضلعي حڪومت هجي يا صوبائي توڙي وفاقي ير هن دراوڙ ديس جي مارو ماڻهن جا اهنج گهٽائڻ لاءِ ڪوبہ سنجيده ناهي ڏک سور درد تڪليفون هن علائقي جي عوام جو جڙ تہ مقدر بڻجي پيا آهن بس

پڇيل سوال تي آبديده ٿي جواب ڏنو تہ هو ساڻهون ڏسو منهنجو پٽ آهي جيڪو ٻن ماڻ موٽ پٽي ڪائي رهيو آ ان ڪان وڏ پڪ ڪيئن مڇي ٿي آءَ سنجر جو رهاڪو هيس اتي روزي گهٽ هجڻ سبب حمل ڍنڍ آيس پر هتي تہ سنجر ڪان بہ وڌيڪ ڏکوئيندڙ صورتحال آهي مون وٽ هاڻ واپسي جي ڪرايو بہ ناهي جو واپسي ڪري سگهان هن ڍنڍ مان مڇي هميشہ جي لاءِ موڪلائي وئي آ ماضي جي اوج واري اها حمل ڍنڍ جنهن جي ڪاڇڙي بدحالو مياڻي واري پٽڻ تان مڪ ڏينهن ۾ سوين مڻ مڇي مرندي هئي ير

مٽي ، مرو ، پوپري ، ڪگهو رڙو ، گوج، ٽاهي ، گلفام، گراس ، سلور ، ديو پاپليٽ ، منڌهو، لهڙ وغيره اهڙي ريت هو پرديس ڪان ايندڙ پرڏيهي پکي جن جو ٽڪاڻو حمل ڍنڍ هئي انهن جا بہ اڻيڪ قسم ٻڌائي وچي ٿو جن ۾ نيرگ ، ٿورهنلو، ٽرگوش ، پوهڙ رتيون ڳيٽي فاراهي روئوارو ، برڙو ڪرڪلو ، ڪرڙو ، مانجهو ، جوئي ، عاڙي ، ڪهنگ ، ڪيٽيائي، جهنگ ڪڪڙ ، باراهي تهڙ

آهي جو هن ڍنڍ جي اولہ پاسي کان ڪجھ ئي مفاصلي تي جڏهن نظر ڪريون ٿا تہ کيرٿر جبل ساڻهون هجي ٿو ان سان گڏ مزاراٽي گئس ۽ آئل فيلڊ مان پرندڙ گئس واري اها چمني بہ صاف نظر ايندي پر جا ڪجي جو هن ويڳاڻي ديس جي وارثن جي مالڪي ڪرڻ لاءِ ڪوبہ تيار ناهي هي سمورو علائقو پڪ ۽ بدحالي سبب آخري پساه ۾ آهي پر اهي تيل گئس ڪمپنيون بغير ڪنهن حساب جي ساليانو لکين ارب ڊالر ڪمائي

عوام اڄ به الله جي آسري ڪنهن معجزي جي انتظار ۾ جي رهيو آهي تہ ڪو خميني جهڙو انقلاب اچي جنهن بعد ڪو سک جو پاند جهلي سگهجي ٻي صورت ۾ هي واره تعلقي جي پٽي سان رهندڙ يوسي ميرپور يوسي حمل ۾ موجود انساني آبادي پٿر واري دور کان بہ بدتر زندگي بسر ڪري رهي آهي جن وٽ هتراڏو پيدا ڪيل يهرائين عوام منجهان جيڪي جي سگه وڃائي چڏي آهي هي ڳچ انساني آبادي اڄ ڏينهن ڪنهن مسيحا جي انتظار ۾ آهي تہ جيڪر ڪو خدا ترس اچي ۽ اسان جو واهرو ٿي پوي

# نئين لياري جا ينگ هيروز فوٽبال خون ۾ ٻوڙي ٿو

الهه بخش راٺوڙ

"ڇو ته اسان جي جينز (خون) ۾ فوٽبال آهي. جيئن اکيون کوليون ته فوٽبال ئي نظر آيو. انڪري ان سان ڇولي دامن جو ساٿ آهي. پيو هي ته لياري جو جيڪو اميج خراب ڪيو ويو هاڻ اوترو بهتر بڻائي هي پيغام ڏيڻ چاهيون ٿا ته اسان جي سڃاڻپ ڪرائيم نه پر اسپورٽس آهي" هي لفظ نئين لياري جي مائيڪان واحد بلوچ جا آهن. جيڪا پهريون ڀيرو ڪڪري گرائونڊ ۾ نوجوان ڇوڪرن سان گڏ ٻنا ڪٿهن هيڪ جي فوٽبال راند کيڏي ٿي. هو لياري جي هيروز ۾ نئين سڃاڻپ به آهي.

مائيڪان سان منهنجي ملاقات هن جي گهر جي گرائونڊ فلور جي ڪمري ۾ ٿي جتي هن جي وڏي ڀيڻ ماهين ۽ والد ڪامريڊ واحد بلوچ ۾ موجود هئا. مائيڪان جي اچڻ سان ڪمري ۾ مسڪان ڦهلجي وئي ۽ هن جي آواز جي پيسڪ ليول انتهائي شاندار ۽ گهري هئي. هن ايندي ئي پڇيو – انڪل ڪيئن آهيو؟ ان سان گڏ اسان جون ڳالهيون شروع ٿي ويون.

مائيڪان واحد بلوچ جنهن ڪمري ۾ ميزباني ڪئي اهو ڪتابن سان ڀريل هو جيڪي اردو، انگريزي توڙي بلوچي زبان جا هئا. مائيڪان تي ڪتابن جو اثر پيو ته هوءَ آرٽسٽ بڻجي وئي ۽ فوٽبال انڪري کيڏڻ شروع ڪئي ته بقول مائيڪان جي "منهنجي بابا کي هي راند پسند آهي. ان جي خوشي خاطر کيڏڻ شروع ڪيو. هي جذبو به هو ته پيهر جاتو وڃي."

"توهان جڏهن فوٽبال جي ڪٽ پائي پنهنجي گهر کان ڪڪري گرائونڊ تي وينديون آهيو ته اوڙي پاڙي جي ماڻهن جو ڪهڙو ردعمل هوندو آهي؟" مون مائيڪان کان پڇيو.

"ڀيريان ته آئيڊيل ماحول نه هو پر گهر ۾ بابا، امان ۽ ڀينرون همت افزائي ڪنديون هيون. اڳي جي لياري جي جيڪڏهن ڳالهه ڪندو هو ته مون کي سٺو نه لڳندو هو. مان چاهيو ته لياري جي سڃاڻپ منشيات، گن ڪلچر سان نه ٿئي پر هي علائقو جيڪو پهريان کان تمام گهڻي ٽيلنٽ سان ڀرپور آهي. ان سان لياري کي پيٽ ۾ هڻ ڇوڪرين توڙي ڇوڪرا گرائونڊ ڏانهن وينديون ڇوندا آهن. اسان ٻه ڀاجي مائيڪان ٿينداسين"! مائيڪان سرهائي سان ٻڌايو.

"مان ڪافي عرصي کان فوٽبال کيڏڻ پئي. لياري سان گڏ ملير ۽ حيدرآباد تي کيڏي آهيان. مون کي پرائيڊ آف سنڌ سميت ڪيترن ئي ايوارڊن سان نوازيو ويو

آهي. اسان جي اڪيڊمي ۾ زبردست قسم جي تربيت ۽ ڊسپلين آهي. لياري جهڙي علائقي مان پهريون ڀيرو 45 ڇوڪريون فوٽبال کيڏڻ ٿيون. باقي نوجوان ڇوڪرن جو تعداد ته لاتعداد آهي." مائيڪان ڳالهه جاري رکي.

ڇوڪرا ۽ ڇوڪريون گڏ کيڏڻ تي ڪو اعتراض ته نٿو ڪري؟ مون پڇيو.

نه بلڪل نه. اسان جا والدين روشن خيال آهن. اهي

جاري رکي نٿيون سگهن. جيڪڏهن انهن کي اڳتي اچڻ جو موقعو ملي ته ٽيلينٽ ضايع نه ٿيندو. ڇوڪرن ۽ ڇوڪرين جي اسپورٽس ۾ اچڻ سان هي سماجي برائين کان به بچي ويندا. خاص ڪري منشيات ۾ ٻين برائين نوجوانن جو پيڇو ڪنديون آهن".

سمين ابراهيم جيڪو فوٽبال جو ڪوچ آهي ۽ هو فوٽبالر طور 16 سالن تائين هڪ خانگي بينڪ ۾ 6 سالن تائين قومي ٽيم ۾ کيڏندو رهيو آهي. هو لياري ۾ فوٽبال جي مستقبل کان مايوس ناهي. هن ٻڌايو ته "مون 1986 فوٽ بال کيڏڻ شروع ڪئي. هاڻ به هڪ يونيورسٽي ۾ ڪوچ آهيان. پر لياري جو ٽيلينٽ ضايع ٿي رهيو آهي. ان جو هڪ سبب 25 کان 30 ڊپارٽمنٽس جو بند ٿيڻ آهي. هڪ طرف ڪلبس جو تعداد وڌي رهيو آهي ته ٻئي پاسي نوجوان رانديگرن کي اسپانسر ڪرڻ وارو ڪوئي ناهي. صورتحال ۾ بهتري نه هجڻ ڪري ڪيترائي ڀلا سماجي برائين جي ور چڙهي رهيا آهن. جيڪڏهن لياري جا نوجوان راند جي ميدان ۾ ويندا ته اهي صرف ملڪ جو نالو ئي روشن نه ڪندا، پر پنهنجو مستقبل به سنواريندا".

هن ٻڌايو ته ڪنهن زماني ۾ ڪي ايم سي، واٽر بورڊ، نيشنل بينڪ، پي آئي اي، پورٽ قاسم، اسٽيل ملز سميت سمورا ادارا پنهنجون فوٽبال جون ٽيمون رکندا هئا. پر هاڻ صورتحال اهڙي ناهي. هيئنر به تربيت فراهم ڪندڙ استاد گهٽ آهن. پر رانديگر گهڻا آهن.

سمين ابراهيم کان لياري ۾ ڪلبز جو تعداد پڇيو ته چوڻ لڳو هتي اڳ ۾ ته فوٽبال جا 228 ڪلب هئا جن جو تعداد گهٽجي وڃي ويو آهي. ان مان ظاهر ٿئي ٿو ته نوجوانن جو راند ڏانهن رجحان وڌي رهيو آهي. هيئنر به ڪلري، ڪڪري، لياري جنرل، گبول پارڪ سميت ڪيترائي وڏا گرائونڊ موجود آهن. هڪ ڪلب ۾ 18 رانديگرن جو اسڪواڊ هوندو آهي. پر هاڻ هر ٽيم 25 رانديگرن تي ٻڌل آهي. انهن مان ڪجهه کيڏن ٿا ته ڪجهه وري اسپيئر ۾ هوندا آهن.

هن به ماڻهن جيان شڪايت ڪئي ته لاڳاپيل اسپورٽس جي وزارت لياري جي رانديگرن جي ڪا به مدد نه ڪري رهي آهي. ها ڪجهه ماني مڇي وارا ماڻهو آهن. جيڪي رانديگرن جي مدد ڪن ٿا.

سمين ابراهيم کان پڇيو ته توهان ڪٿي ڪٿي کيڏيا آهيو؟

هن جو چوڻ هو ته —مان ملڪ ۾ ته کيڏيو آهيان. پر گڏيل عرب امارتن، عمان، ڀارت، نيپال ۽ بنگلاديش سميت ڪيترن ئي ملڪن ۾ پاڪستان جي نمائندگي ڪئي آهي. هي اهي ملڪ آهن. جتي لياري جا ليجنڊري فوٽبالر کيڏندا رهيا آهن لياري جا بزرگ فوٽبالر ڪيپٽن عمر، يعقوب، عبدالله راهي ۽ ماسٽر اسين اثاثو رهيا آهن. هنن جي ڏينهن ۾ ايترو معاشي بحران به نه هو ۽ اهي جسماني طور تي تمام گهڻا صحتمند به هئا.

هڪ سوال تي سمين ابراهيم ٻڌايو ته پرڏيهه ۾ فوٽبالرز جي تمام گهڻي عزت آهي. اتي حڪومت به رانديگرن جي عزت ڪندي آهي ۽ انهن کي معاوضو ڏئي ڪري ملڪ جي شان طور رکيو ويندو آهي. ڇاڪاڻ ته رانديگر ملڪن جا ايمبيسڊر هوندا آهن. پر اسان وٽ بلڪل ائين ناهي.

لياري ۾ فوٽبال سميت مختلف رانديون ۾ ڇوڪرين جي اچڻ تي سمين ابراهيم تمام گهڻي سرهائي جو اظهار ڪيو. ڇوڪرين جو اسپورٽس ۾ اچڻ سٺو شگون آهي ۽ ان سان رانديون ۾ صحتمند رجحان ايندا.

ان مطابق لياري ۾ اسپورٽس خاص ڪري فوٽبال جو ٽيلينٽ تمام گهڻو آهي، پر رانديگرن ۾ تعليم جي کوٽ آهي، اهي گهٽ پڙهيل آهن ۽ تربيت به گهٽ آهي. هينئر لياري جي ڪڪري گرائونڊ ۽ عثمان پارڪ ۾ نوجوانن کي سٺي تربيت ڏني وڃي ٿي، اسان جي خواهش آهي ته نوجوان خاص ڪري پڙهيل لکيل هن راند کي پنهنجو ڪن جيڪڏهن ائين نه ٿيو ته منهنجي پاڻ جيان نوجوان منشيات جي لعنت جو شڪار ٿي ويندا ۽ اسان بهترين سرمائي کان محروم ٿي وينداسين.

سمين هڪ ٻئي سوال جي جواب ۾ چيو ته – ماضي ۾ لياري جي خراب حالتن رانديڪن سميت معاشري کي تمام گهڻو اثر ڪيو ۽ اسان ڪيترن ئي رانديگرن کان محروم ٿي وياسين. فوٽبال کي غريبن جي راند ناهي جيڪڏهن ائين هجي ها ته رونالڊو ۽ ٻيا امير هن راند مان پيدا نه ٿين ها.

لياري سميت سنڌ جي مختلف شهرن ۾ فوٽبال جي حالت بابت جڏهن فوٽبال ايسوسي ايشن جي صدر ناصر ڪريم بلوچ کان پڇيو ته هاڻ ماضي جيان هن راند ۾ ليجنڊز ڇو پيدا نٿي ٿي رهيا آهن؟ ان تي ناصر جو چوڻ هو ته " هڪ ته ماضي ۾ فوٽبالرز جي مختلف ادارا مدد ڪندا هئا، ٻيو ته اسان جا بزرگ رانديگر صرف راند ئي کيڏندا هئا ۽ اهي ذهني ۽ جسماني طور تي صحتمند هئا، هاڻ ته رانديگرن جي ٽنڊ به پوري نٿي ٿئي ۽ هو معاشي مشڪلاتن جو ۽ شڪار آهن، ان سان گڏ فوٽبال جو ماضي جهڙو معيار به نه رهيو آهي.

هڪ سوال جي جواب ۾ ناصر ڪريم بلوچ ٻڌايو ته هينئر سموري سنڌ ۾ 700 فوٽبال جا ڪلبز موجود آهن. سنڌ جي مختلف شهرن نواب شاهه، سکر، خيرپور ۽ ٻين شهرن ۾ 100 جي لڳ ڀڳ فوٽبال جا ڪلبز موجود آهن. ڪراچي کي ڇڏي ڪري سنڌ جي ٻين شهرن ۾ فوٽبال ڪلبز کي رجسٽريشن به نٿي ڏني وڃي ۽ اتي رانديگر 20،20 سالن کان کيڏي رهيا آهن.

ناصر مطابق هينئر حڪومت جا 23 اهڙا ڊپارٽمنٽس آهن جيڪي بند ٿي چڪا آهن ۽ اهي ماضي ۾ رانديگرن جي سهائتا ڪندا هئا، ايسٽائين جو ڪي ايم سي جي فوٽبال ٽيم هئي جيڪا به ختم ڪئي وئي آهي، هاڻ ڪنهن به ڪيپٽن عمر جو پيدا ٿيڻ مشڪل آهي، هاڻ ته رانديگرن لاءِ ميدانن جي به کوٽ آهي، بس رانديگرن جي شوق سبب فوٽبال راند زنده آهي، هن شڪايت ڪئي ته وفاقي حڪومت جو فوٽبال جي واڌ ويجهه ۾ ڪوبه ڪردار ناهي، ايترو ضرور آهي ته سنڌ حڪومت وري به سهڪار ڪري ٿي، هينئر به ڪڪري گرائونڊ ۽ لياري جنرل اسپتال جي سامهون ٻن گرائونڊ لاءِ بجيٽ منظور ڪئي وئي آهي، انهن گرائونڊز لاءِ اٽڪل 14 ڪروڙ رپيا رکيا ويا آهن.

فوٽبال ايسوسيئشن جي اڳواڻ ناصر ڪريم هي شڪايت به ڪئي ته لياري جي نوجوانن لاءِ محترما بينظير ڀٽو جي دور ۾ گرائونڊ ٺهرايو ته ويو پر ان تي هينئر به قبضو آهي ۽ اتي نوجوان کيڏي نٿا سگهن. سنڌ حڪومت سميت اختيارين کي اهو گرائونڊ واپس ڪرڻ لاءِ چيو آهي.

ناصر ڪريم هي به انڪشاف ڪيو ته اردو يونيورسٽي ۾ سان لارينس روڊ تي فوٽبال جو پرانو گرائونڊ موجود آهي، جنهن تي هڪ شخص جو قبضو آهي، ماضي ۾ اهم ايونٽس ان گرائونڊ ۾ ٿيا، پر هاڻ ان گرائونڊ کي ڪجهه حلقا ڪاروباري مقصدن لاءِ استعمال ڪري رهيا آهن، هي گرائونڊ فوٽبال جي رانديگرن لاءِ بند آهي. هن هي انڪشاف ڪيو ته به سال اڳ ڪي ايم سي ان گرائونڊ جي مرمت لاءِ به ڪروڙ رپيا جاري ڪيا هئا، پر اها رقم به هڙپ ڪئي وئي. هاڻ ته ڪي ايم سي جي فوٽبال جي ٽيم تي به پابندي آهي. جيڪڏهن سنڌ حڪومت چاهي ته گرائونڊ تان قبضو ختم ڪرائي فوٽبالرز جي حوالي ڪري سگهي ٿي.

رپورٽ: ساحل

# رنيءَ ڪوٽ ۾ گهاريل هڪ رات

آئون پنهنجي زندگيءَ ۾ پهريون ڀيرو ڏسي رهيو هيس ته سج جبل جي تمام ريجهڙائي کان هيٺ لهي رهيو هيو. مون ڏٺو ته جڏهن شام لڙي چڪي هئي، شفق جا رنگ نکري نروار ٿيا هيا پاڻ سڀ دوست رني

ڪوٽ جي عظيم قلعي کي گهمڻ بعد ميري ڪوٽ بادشاه جي آستاني اڳيان تڪ هجڻ سبب آهلجي چڪا هياسين. ۽ عين ان وقت منهنجي شاعر اديب موهن جي مٺي جهڙو سوگند رکندڙ دوست آتم دراوڙ درد مان دانهن ڪندي چيو ته ار هو ڏسو چنڊ اڀرڻ جو نظارو هن جي اهڙي آواز تي سمورن جون نظرون اوڏانهن کڄي ويون.

بس پوءِ ته چنڊ پاهڻ تي وياسين. چنڊ جڻ ته زمين مان نڪري رهيو هو قلعي جي مکيه گيٽ جنهن کي سن گيٽ چون ٿا. چنڊ اتان چنگاڙ ڪيدي ايري رهيو هو پاڻ جتي ٽڪاڻو ڪيو هو اها جڳهه قلعي جي مکيه سن گيٽ کان ڪجهه پر پرو ۽ هزارين فوٽ بلندي تي هئي. هاڻ سنگت جي هر وات تي چنڊ اڀرڻ واري دلڪش سماءَ بابت واه واه لڳل هئي جا ته منتظر هيو. مون وٽ ته ايترا لفظ

تي ناهن جو چنڊ اڀرڻ واري ان خوبصورت منظر جي تعريف ۾ لکي سگهان بس پوءِ

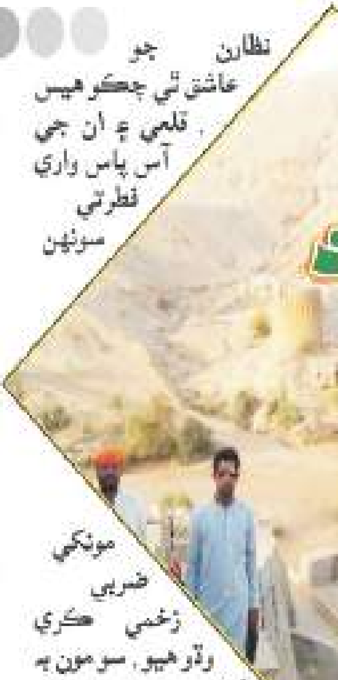

نظارن جو عاشق تي چڪو هيس . قلعي ۽ ان جي آس پاس واري قدرتي سونهن

موٽڪي ضربي زخمي ڪري وڌو هيو. سو مون ته ڳائڻ جي شروعات تي مرشد لطيف جي وائي سان ڪيم وائي جا ٻول هيا ته.

"سور انهي ساڙي ساڙي هو جي ويا هليا . وڻ وڻ هيڻان وره پٽي واريان الا سور انهي ساڙي.

ڇوري ڇپر ۾ رات ڇڏي ويا رات ڇڏي ويا ڏار

ڪري ويا ڏاري ڏاري هو جي ويا هليا

ڪيڻي پهر اڳم، دراوڙ ۽ مان چنڊ جي معشوق نظاري بابت ڳالهائيندا رهياسين، اوچتو ڪنهن دوست چيو يار ساحل جو آواز ڏاڍو پيارو آ اڄ هن بهترين موقعي جي مناسبت سان ڇونه ڪيس جهونگاريندي ٻڌون.

بس پوءِ هنن جي فرمائش جي دير هئي آئون ته اڳ ئي قلعي جي حسناڪ رونقن رنگين

ليڙا لڏياٿون رات پنهور مان رات پنهور مان
بار کڻي ويا باري باري هو جي ويا هليا
وڻ وڻ هيڻان وره پٽي واريان الا سور انهي ساڙي ساڙي هو جي ويا هليا
اديون شاه لطيف چوي ميان
پٽ جو گهوٽ لطيف چوي
مونسان پٽ پنهل ٻاڙي ٻاڙي هو جي ويا هليا"

منهنجو آواز ۽ وائي اهڙي ته سنگت کي لڳي جو ڪجھ دوست اکين مان لڙڪ اگهي محفل مان اٿي پريرو ٿي ويهي رهيا . لطيف سرڪار جي شاعري جو هر هڪ اکر سنگت جي دلين ۾ لهي وڃي گهر ڪيو. ڳائڻ گنگنائڻ واري ويرم جو پتو ئي ڪون ٿي پيو ,ڪافي وقت گذري چڪو هو. ٿان جو اڃي آڌي رات ٿي . ۽ جڏهن ٿنڌ جا ڪيپ اکين کي گهيرو ڪرڻ لڳا تڏهن مون وڃي پر ۾ پيل کٽ والاري بغير ڪنهن هنڌ وهاڻي جي کٽ تي ليٽي پيس. اها کٽ رني ڪوٽ جي ڳوٺاڻي اسان جي مهمانوازي خاطر آڻي رکي هئي . هاڻ رات ٺري چڪي هئي. قلعي جي وسيع ايراضي ۾ سانت چانڊيل هجڻ سبب تيز هوا جا جهوٽا منهنجي بدن ۾ سيسرائيون وجهي رهيا هيا. رڪي رڪي هوا ايتري ته تيز ٿي لڳي جو موٽڪي محسوس ٿيڻ لڳو ته ڪٿي مون سميت کٽ هوا جي تيز جهونڪن ۾ ڪري نه پوي.

پلا اهڙي تاريخ جي سنهري راتين منجهه ننڊ ڪيئن ٿي ڪري سگهجي ؟

مون جاڳ ڪي ئي بهتر سمجهيو. ۽ چنڊ جي چانڊوڪي سان رهاڻ ڪرڻ لڳس . ڪير جهڙي چانڊوڪي مونکي ڏاڍي وڻندي آهي . اونداهين کان خوف هوندو اٿم . تڏهن چانڊوڪين سان چاهه واري روش تمام گهڻي پراڻي اٿم رات جي گذرندڙ پهر ۾ مون رني ڪوٽ جي عظيم قلعي جي بناوت ۽ ان دور جي ماڻهن جي رهڻي ڪهڻي بابت سوچڻ شروع ڪيو. جڏهن ننڊ جي پنکين مونکي پنهنجي پاڪرڻ ۾ پري ورتو تڏهن آئون هڪ خواب نگر ۾ هليو

ويس . مونکي قلعي جي پوئين موهن گيٽ کان سن جي مکيه اوپر واري گيٽ تائين خواب ۾ گهوڙا ڊوڙندي نظر آيا .

مون وڏن سڱن وارا ڏاند اوگر ڪندي ڏٺا . ڪيئي شاهسوار قلعي جي چوڪي تي معمور ڏٺم . اسان جي پويان اوچي بلندي تي ٺاهيل شيرڳڙهه جي مورچي تي جنگ جوان تلوار زره پائي ۽ تير سان ملبوث ڏٺم . هيڏانهن اسان جي ڪچ ۾ ميري ڪوٽ جو قلعو هيو. ڪوٽ جا ڪونگرا ڏيئن جي ڏيمي روشنيءَ سان چمڪي رهيا هئا .بادشاهه پنهنجي وزير مشيرن سان ڪچهري منجهه مهو ڏٺم . بادشاهه ڏاڍيون راڻيون پڻ عطر ۽ اتيبر مهڪيل خوشبوءِ سان قلعي جي مٿين بادشاهي بيٺڪ تي ٻانهين سان ڪچهري ۾ مگن مست ڏٺم . موهن گيٽ واري پاسي کان پاڻيءَ جو چشمو آهي چشمي جو پاڻي

ڳڙگاٽ ڪندو اچي سن نئين ۾ ڪري ٿو نئين جيڪا ان دور جي درياءَ مثل هجي ٿي . ان وهندڙ پاڻي جي چشمي تي پريون اچي سنان ڪن ٿيون .
ان پرين جي سنان واري جڳهه کي پرين جو تڙ چون ٿا . پرين جي سواري لاءِ لکن جي تعداد ۾ هرڻ سرءَ ڦاڙها موجود آهن . وهندڙ نئين مٿان اوپر طرف کان جڙيل سن گيٽ ۽ اوله ۾ موهن گيٽ کي ڏسي چئي سگهجي ٿو ته هي وڻج واپار جو وڏو مرڪز رهيو آهي جو ته جبلن جي گسن ور وڪڙن ۾ پيڙن

جا گس نمايان بيٺل نظر پئي آيا .
هي ضرور ڪو وڏو تجارتي لنگهه هيو . جنهن جي ٻنهي پاسن کان ان وقت جي حڪمران . مضبوط قلعو جوڙائي پهريدار رکي ڇڏيا . مون جڏهن ميري ڪوٽ کي غور سان ڏٺو تڏهن ان جي بيهڪ ۽ اندروني منظر کي ڏسي اها راءِ قائم ڪري سگهان ٿو ته هي واپار جو مرڪز هوندو . هتي مختلف ڪنن جا واپاري ماڻهو پنهنجو مختلف جنسون کڻي هتي ميري ڪوٽ ۾ ترسي هتي ني واپار جو واڪ لڳائين ٿا . ۽ هتان جو حڪمران واپار جي عيوض انهن کان ڍڻ وٺي ٿو. اهو به ممڪن آهي ته سن نئين تار وهندي وڃي سنڌو درياءَ ۾ پوي ٿي . اتان پڻ پيڙن جو اچڻ معمول هجي ٿو . آئون جڏهن سن گيٽ واري قلعي جي

حصي تي موجود مورچن تي غور ڪريان ٿو ته . انهن ۾ چٽسالي ۽ سان بيشمار تراشيل پٿر لڳل نظر اچن ٿا . انهن پٿرن تي ان دور جي ٻولي يا نشاني طور ڪجهه لکيل آهي . جنهن مان انداز ڪري سگهجي ٿو ته شايد اهڙي چٽسالي خطاطي موهن جي دڙي واري ٻولي ۽ لکت سان ملندڙ هجي . آئون اهڙي شاهڪار هٿ جي آرٽ کي ڏسي منجهي پيو هان ٿو . آخر هي ڪنهن دور جا ماڻهو هيا هي هيڏو عظيم ڪم ڪيئن ڪري ويا . هتي گهڻن نسلن مذدوري ڪئي هوندي؟
قلعي جي حقيقت ڄاڻڻ لاءِ منهنجي اندر ۾ اٿل هئي آئون قلعي جي عظمت ڄاڻڻ خاطر لڳي رهيو هيس . گهري سوچ ۾ غوطا هڻندي اهڙي بيقرار ڪيفيت ۾ جڏهن سجاڳي ٿي . تڏهن صبح جو اعلان ٿي چڪو هيو. ڪافي دوست اجان ننڊ ۾ هيا سچ اجان ايرڻ جي سنبت ۾ هيو. مون اٿڻ شرط جبلن جي چوٽي پاسن ڏانهن نهاريو . مٿي نظر ڪيم ته چنڊ سڄي رات جي سفر بعد به لهي ڪون سگهيو هو شايد پوڙهاپ جي ڪري سفر آهستگي سان ٿي ڪيائين . چنڊ ٿي هيو جنهن کي هن تاريخ بابت سموري ڄاڻ هئي . مون وري به هن سان ڳالهائڻ جي ڪوشش

ڪئي . مون اٿڻ شرط چنڊ جي پير ۾ بيهي سنڌس ليڪ چمڻ جي جسارت ڪئي . پر ناڪام رهيس ۽ پوءِ ڪئميرا ڪڍي چنڊ سان سيلفي ڪڍي ورتي جا منهنجي زندگيءَ جي يادگار تصوير ٿي وئي . شايد اهڙي ڪيفيتن منجهه ئي سنڌ جي خوبصورت شاعر نارائڻ شيام اهي سٽون سرجيون هونديون جنهن چيو ته
روئي روئي هاءِ
مون جا چانڊوڪي ڇڏي
تون ٿي چنڊ ڇڏاءِ
اڄ به آهي سنڌ ۾
رني ڪوٽ جي سا چانڊوڪي تاريخ جي جهروڪن ۾ اڻين گم ٿي وئي . تان جو پريان سورج بادشاهه پنهنجا تجلا ظاهر ڪيا . دنيا جي هن عظيم قلعي کي گهمڻ لاءِ جتي قلعي جي خوبصورتي . ان دور جي ڪاريگرن جي ڪمال سائنس ڏسڻ وٽان هجي ٿي اتي . رني ڪوٽ جي قلعي ۾ سج ۽ چنڊ ايرڻ ۽ لهڻ جا منظر پڻ دل کي لڀائيندڙ هجن ٿا . رني ڪوٽ جو

Italiano®
Permanent Hair Colour Cream
Colour Your Life
✓ Gives strength to hair
✓ Soft and glossy hair
✓ Even coverage
✓ No greys
Italiano®
Italiano®
Nourishment for Hair With Silk Protein, Vitamin E & Hair Conditioner
*Available in 10 Different Shades

**Deal No 1**
Eyes Brows (Threading)
Upperlips
Forehead
RS.400

**Deal No 2**
Eyes Brows (Wax)
Upperlips (Wax)
Forehead (wax)
RS.500

**Deal No 3**
Whitening Face Polish
Face Mask
RS.799

**Deal No 4**
Normal Cleansing (Threading)
Upperlips
Forehead
RS.500

**Deal No 5**
Face Wax or Face Threading + Eyes Brow
Face Smoothing +
Medicated Mask RS.999
With Cleansing [illegible]

**Deal No 6**
Whiting Cleansing or
Lifting Cleansing
Face Mask
RS.600

**Deal No 7**
Cutting With BlowDry
Root Touching
Under Legs Wax
Under Arm Wax
Full Arm Wax
Half Legs Wax
Janssen Facial
Hair Protein
Face Bleach
Eyesbrow & Upperlips
Manicure
Pedicure
RS.6,999

**Deal No 8**
Herbal Bleach
Herbal Facial
Relaxing Shoulder Message
RS.1,800

**Deal No 9**
Model Party Makeup / Smokey / Glittery /
Glamour With 3D Eye Lashes Hairdo
Iron + Tong Curls
Signature Makeup by
Maryam & Rohil
RS.5,999

**Deal No 10**
Kerabond / Kerastate / Kerafill
3rd Day Wash
Protein Treatment Triming
Shoulder To Mid Length
RS.15,000

**Deal No 11**
Xtenso / Rebounding / Keratin
3rd Day Wash
Protein Treatment
Triming
RS.10,000

**Deal No 12**
Full Arm Or Full Legs
Half Arms Or Legs
RS.900

**Deal No 13**
Spa Bleach
Spa Lifting Or Whitening Facial
Black & Shoulder Massage
Half Hand Honey Wax
Half Leg Honey Wax
RS.2,500

**Deal No 14**
Half Arms Wax
Half Legs Wax
Under Arms
[illegible]
[illegible]

**Deal No 15**
Full Hand Wax
Full Leg Wax
Under Arms
[illegible]
[illegible]

**Deal No 16**
Full Body Rica Wax RS.4,500
Full Body Honey Wax RS.3,000
Without Under Legs

**Deal No 17**
Bridal Makeup
Valima Makeup
Free Party Makeup
RS.19,999

**Deal No 18**
Arm Bleach
Cuticle Removing
Nails Filling
Massage
Nails Buffing
RS.800

**Deal No 19**
Feet Whitening Bleach
Feet Soak
Cuticle Removing
Dead Skin Removing
Nail Filling
Massage
Nail Buffing
RS.800

**Deal No 20**
Without Hair Style
Party Makeup (with Lashes)
RS.2,500

**Deal No 21**
Barat Makeup
Hair Extension & Styling 3D Lashes
Nails Setting Dupatta Fiting
RS.18,000

**Deal No 22**
Model Party Makeup
With Lashes
RS.3,000

**Deal No 23**
Any Latest Haircut
Base color Hair Streaking
RS.8,000

**Deal No 24**
Whitening Manicure Spa S.T
Whitening Pedicure Spa
Whitening Hand Bleach Polish
Nail Filing Nails Buffering Shiny
Hand Scrub & Feet Scrub
RS.2,000

**Deal No 25**
Whitening Manicure B.C
Whitening Pedicure B.C
Nail Filing Nails & Buffering
Shiny + Hand & Feet Scrub
RS.1,500

**Deal No 26**
Under Arms &
Under Legs
RS.1,000

**Deal No 27**
Hair Spa + Full Arms Wax
Full Leg Wax + Under Arm Wax
Janssen Whitening Facial + Whitening Facial
Polish + Shoulder Massage + Whitening
Manicure & Pedicure
Threading + Eyebrow + Upper lips
RS.8,000

**Deal No 28**
Rica Face Wax + Face Polish
Double Glow Facial + Face Wash
Cleansing + Exfoliatio + Extraction +
Toning Massage + Mask + Serum
Hand & Feet Bleach + Hand & Feet Scrub
Hand & Feet Massage
RS.3,000